تعریف و توصیف میں اس فیاضی سے کام لیا ہے کہ نئے قارئین کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے۔

حرارتیں: از جناب نذیر فراز مبارکپوری صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت نہایت نفیس، صفحات ۱۷۵، مجلد مع رنگین گردپوش، قیمت دس روپئے، کتاب مصنف سے لال چوک مبارکپور اور ہلال بکڈپو مبارکپور ضلع اعظم گڈھ سے ملے گی۔

جناب نذیر فراز مبارکپوری ایک اچھے غزل گو شاعر ہیں، ان کی غزلوں کے اس مجموعہ سے ان کے ستھرے ذوق اور تغزل سے مناسبت کا پتہ چلتا ہے، غزل بڑی لطیف اور نازک صنف سخن ہے، فراز صاحب اس کے نشیب و فراز سے واقف اور تغزل کے مزاج شناس ہیں، انھوں نے غزل کے خاص موضوع حسن و عشق کے جذبات و معاملات کی مصوری کے علاوہ عہد حاضر کے واقعات و مسائل کی ترجمانی ایسے سلیقہ سے کی ہے کہ غزل کی رنگینی و رعنائی اور اس کی لطافت و حلاوت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، طرز ادا کی دلکشی اور زبان و بیان کی روانی و صفائی سے مصنف کی فنی صلاحیت اور پختگی کا اظہار ہوتا ہے، امید ہے یہ مجموعہ مقبول ہوگا، چند اشعار سے رنگ سخن کا اندازہ ہوگا:

آبرو شعبدہ بازوں کی بچالی جائے ہیں مصر اس پہ خدایان شعور و دانش

ہم اگائیں گے اسی رات کے بن میں سورج صبح تک کون اجالوں کے لئے ترسے گا

دانشوروں کے ذہن میں دارالاماں تو ہے مقتل قدم قدم پہ اگر ہیں تو کیا ہوا

"ض"

جلد ۱۲۳ ماہ شوال المکرم ۱۳۹۸ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۷۸ء عدد ۳

مضامین

مقالات

تلخیص و تبصرہ

ادبیات

باب التقریظ والانتقاد

شذرات

ہندوستانی مسلمان ایک عرصہ سے قلت وکثرت کے طلسم میں گرفتار ہیں، یہ سوچ سوچ کر کہ ان کی تعداد کم ہے وہ حال سے غیر مطمئن اور مستقبل سے مایوس ہوتے جارہے ہیں اور ان کے اندر کمزوری وبیچارگی کا احساس بڑھتا جاتا ہے، لیکن کیا تعداد کی کمی کوئی ایسا راز سربستہ ہے جس کا اچانک انکشاف ہوا ہے، آخر تاریخ کا کونسا دور ہے جس میں انھیں اکثریت حاصل تھی، واقعہ تو یہ ہے کہ جب سے انھوں نے اس ملک میں قدم رکھا، اس وقت سے آج تک برابر اقلیت ہی میں رہے، لیکن یاس ونہراس کی یہ کیفیت جس میں وہ گذشتہ تیس برس سے مبتلا ہیں، ان کے اندر کبھی نہیں پیدا ہوئی، آٹھ سو برس کے طویل زمانہ میں شکست وزوال کے بہت سے مناظر انھوں نے دیکھے، اور بار بار شدید مشکلات سے دوچار ہوئے لیکن چراغ امید کبھی گل نہیں ہونے پایا، انھوں نے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کے بجائے مصائب ومشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ میدان حیات میں قدم بڑھانے کی کوشش کی۔

۱۸۵۷ء ہی کا تصور کیجئے، ساری قوم کیسی شدید مصیبت میں مبتلا تھی، کل جو عرش نشین تھے انھیں آج فرش خاک بھی نصیب نہ تھا، جن کے سروں پر تاج شاہی تھا اب ان کے گلوں میں پھانسی کے پھندے تھے، جو اطلس ودیبا اور زربفت وکمخواب کی پوشاک زیب تن کرتے تھے، انھیں دوگز گزی بھی میسر نہ تھی، انگریزوں کی آتش غضب روز افزوں تھی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ جان ومال، عزت وناموس، دین ومذہب اور تہذیب وثقافت سبھی کا خاتمہ ہے، لیکن اس ہنگامۂ دار ورسن میں اللہ کے کچھ بندے عزم وہمت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور ملت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو گرداب حوادث سے نکال کر ساحل مراد تک پہونچا دیا۔

اس نازک وقت میں ایک طرف سرسید اور ان کے رفیقوں نے قوم کو نئے حالات ووسائل سے باخبر کیا، اور حریفوں سے نبرد آزمائی کے لئے نیا ساز وسامان فراہم کیا، ان کی بدولت ملت نیم جان کو حیات نو نصیب ہوئی اور اس نے نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ کارزار حیات میں قدم رکھا، دوسری طرف مولانا محمد قاسم اور ان کے عقیدت مندوں نے بدعات وخرافات کے خارزار کو صاف کر کے دین کے سرچشمہ تک رسائی کی راہ ہموار کی، اس آب صافی نے قوم کے اندر نئی توانائی پیدا کی، ملت شکستہ کو نئے بال وپر عطا کئے اور فلک پیمایوں کا حوصلہ بخشا،

۱۹۴۷ء سے اس وقت تک مسلمان جن مشکلات سے دوچار ہیں ان کی شدت سے انکار نہیں، لیکن اس کا علاج نہ گریز ہے نہ فرار، نہ نوحہ خوانی ہے نہ سینہ کوبی، یہاں نہ شکایت سودمند ہے نہ آہ وزاری، بلکہ عزم وحوصلہ سے کام لینے اور ہمت وجرات کے ساتھ قدم بڑھانے کی ضرورت ہے، ایک خوددار قوم کی طرح ہم نہ رعایت کے طالب ہوں نہ عنایت کے خواستگار، بلکہ بلندیٔ کردار اور صلاحیت کار سے آراستہ ہو کر زندگی کے میدان میں قدم رکھیں، ہمارے اخلاق پاکیزہ اطوار پسندیدہ، خدمات بے لوث اور کارکردگی شک وشبہہ سے بالاتر ہو، اگر ہم اس امتحان میں پورے اترے تو لوگ ہمیں قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور عزت کے ہاتھوں لیں گے پھر نہ طلب حقوق کی ضرورت ہوگی، اور نہ حصول مراعات کی حاجت، ہمارا اخلاص خود ہماری وکالت کرے گا۔

ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا، مشکل سے چالیس برس ہوئے ہوں گے، بلب گڈھ (ہریانہ) کے قریب ایک نیک سیرت مسلمان مولوی رحمۃ اللہ رہتے تھے، گاؤں میں اکثریت غیر مسلموں کی تھی، مگر مولوی صاحب سے سبھی محبت کرتے تھے، ان کا معمول تھا کہ فصل کے زمانہ میں سال بھر کی ضرورت کا اناج خرید لیا کرتے تھے، دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو نرخ آسمان سے باتیں کرنے لگے، ایک دن لوگوں نے سنا کہ مولوی صاحب اپنا غلہ فروخت کر رہے ہیں، خیال ہوا کہ زیادہ نفع کی خاطر ایسا کر رہے ہیں، لیکن جب معلوم ہوا کہ سترہ اٹھارہ سیر فی روپیے کے حساب سے گیہوں بیچ رہے ہیں تو لوگ حیران ہوئے، ان کے ایک برہمن دوست نے اتنی ارزاں فروشی کی وجہ پوچھی تو مولوی صاحب نے کہا؛ بھائی ہم سے برداشت نہیں ہوتا کہ ہم سستا اناج کھائیں اور ہمارے بھائی مہنگا خریدیں، اب تو نوالے کانٹوں کی طرح حلق میں چبھتے ہیں، اس لئے میں اپنے گیہوں اسی بھاؤ

فروخت کر رہا ہوں جس بھاؤ خریدے تھے، اب میں بھی اپنے بھائیوں کی طرح مہنگے داموں خرید کر کھاؤں گا، اس جذبۂ ایثار سے لوگ بے حد متاثر ہوئے، چند برس کے بعد ملک تقسیم ہوا اور پنجاب میں خون کے دریا بہنے لگے، مولوی رحمت اللہ صاحب اس وقت زندہ نہ تھے، لیکن ان کا خلوص سب کو یاد تھا، حالات سے گھبرا کر جب ان کے لڑکوں نے ترک وطن کرنا چاہا تو گاؤں کے سارے غیرمسلم ان کے پاس آئے اور کہا، آپ بالکل پریشان نہ ہوں، مولوی صاحب تو دیوتا تھے، کس کی مجال ہے کہ ان کے لڑکوں پر ہاتھ اٹھائے، اس گفتگو کے بعد لڑکے گاؤں میں اطمینان سے رہے، اور ساری غیرمسلم آبادی ان کی معاون و مددگار رہی۔

یہ سطور ابھی پریس نہیں گئی تھیں کہ مولوی عبدالحمید ندوی کے انتقال کی خبر ملی، وہ بارہ بنکی کے ایک گاؤں جیسکھ پور کے رہنے والے تھے، بڑے مخلص، حق پسند اور بہی خواہ خلق تھے، ۱۹۱۹ء میں ندوہ میں داخل ہوئے، تحریک خلافت شباب پر تھی، حمید صاحب بھی اس سے متاثر ہوئے، اس کی وجہ سے سادگی طبیعت ثانیہ بن گئی، مولانا عبدالرحمٰن نگرامی کی صحبت نے ان کے اندر ندوہ کی محبت اور خاموش خدمت کا جذبہ پیدا کیا، تعلیم سے فراغت کے بعد قیام زیادہ تر وطن ہی میں رہا، لیکن ندوہ برابر آتے جاتے رہتے تھے، دوستوں کے اصرار سے کئی برس تک بھٹکل میں تعلیمی خدمت انجام دی، ان کے مخلص شاگردوں نے اس کام کو آگے بڑھایا اور ایک بڑا تعلیمی مرکز قائم ہو گیا، عرصہ سے دل کے مریض تھے، رمضان میں ندوہ آئے، مولانا ابوالحسن علی سے ملنے رائے بریلی جانے کا ارادہ تھا، دفعۃً دل کا دورہ پڑا اور تھوڑی دیر میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے صاحبزادہ مولوی عبدالرشید ندوی اور دوسرے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ناظم صاحب دارالمصنفین سید صباح الدین عبدالرحمٰن کے تازہ خط سے معلوم ہوا کہ رائلٹی کی دوسری قسط کا معاملہ طے ہو گیا ہے، امید ہے کہ اس مہینہ میں وہ اعظم گڈھ واپس آجائیں گے۔

مقالات

اسلام میں حکومت کی حیثیت و اہمیت

از

مولانا سید سلیمان ندوئی

سیرۃ النبی جلد ہفتم کا ایک باب مارچ تا مئی [illegible]ء کے معارف میں شائع ہو چکا ہے، آج اس کا ایک اور باب پیش خدمت ہے (ع، ق)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں دین اور دنیا دونوں کی برکتیں لے کر آئے، آپ نے صرف آسمانی بادشاہی کی خوش خبری نہیں سنائی، بلکہ آسمانی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دی، تاکہ دنیا میں خدا کی بندگی اور رضا جوئی بے خوف و خطر کی جا سکے اور اس کے لئے خدا کی بادشاہی خدا کے قانون کے مطابق دنیا میں قائم ہو۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	خدا نے اُن سے جو ایمان لائے اور اچھے
الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی	عمل کئے یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کو زمین میں
الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ	حاکم بنائے گا، جیسا کہ ان کو حاکم بنایا تھا
مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ	جو ان سے پہلے تھے، اور ان کے لئے ان کے
الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ	اس دین کو جس کو اس نے ان کے واسطے

مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا (نور : ۷)

پسند کیا ہے، جمادے گا، اور ان کو ان کی اس بے امنی کے بدلہ امن دے گا، میری بندگی کریں گے، میرا کسی کو ساجھی نہ بنائیں گے۔

اور اس کے لئے خدا کے نافرمانوں سے لڑائی لڑی جائے، تاکہ سارا حکم اسی ایک کا ہو جائے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (انفال : ۵)

اور ان سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فساد نہ رہے اور سب حکم اللہ کا ہو جائے۔

قرآن نے خدا کے بعض نیک بندوں کی دعا یہ بتائی ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (بقرہ : ۲۵)

اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

آخرت کی بھلائی تو معلوم ہے، لیکن دنیا کی بھلائی ہمارے مفسروں نے یہ بتائی ہے' علم و عبادت، تندرستی، روزی، مال و دولت، فتح و نصرت، اولاد صالح، مگر یہ بھی حق تعالیٰ کی اطلاق کی تحدید ہے، دنیا کی بھلائی وہ ہے جو خدا کی شریعت میں جائز ہے، ایک اور جگہ فرمایا:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ (نحل : ۴)

اور جنھوں نے نیک کام کئے ان کیلئے دنیا میں بھلائی ہے، اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے اور پرہیزگاروں کا گھر کیسا اچھا ہے"

مقصود یہ ہے کہ نکوکاروں کے لئے دنیا کی بھلائی اور عزت بھی ہے اور آخرت کی بھی، لیکن آخرت کی بھلائی دنیا کی بھلائی سے زیادہ بہتر اور زیادہ خوب ہے۔

جن لوگوں نے خدا کی راہ میں اپنی جانوں کی بازی لگائی، ان کو بشارت ہے:

فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران : ۱۵)

تو اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا بھلا ثواب عنایت کیا، اور اللہ نیکی والوں کو چاہتا ہے۔

دنیا کا ثواب فتح و نصرت، ناموری و عزت، مال و دولت اور حکومت و سلطنت ہے۔

جنھوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور خوشی خوشی ہر طرح کی تکلیف جھیلی، خدا نے ان کو دونوں جہان کی نعمتیں بخشیں:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ (نحل : ۶)

اور جنھوں نے گھر چھوڑا خدا کے لئے ستائے جانے کے بعد، ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے، اور بے شک آخرت کی مزدوری سب سے بڑی ہے۔

دنیا کا اچھا ٹھکانا دنیا کی ہر جائز نعمت اور سطوت و حکومت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دین اور دنیا دونوں کی نعمتوں کی دعا مانگی۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ (اعراف ۱۹)

اور (اے خدا) ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی لکھ اور آخرت میں بھی۔

ان سب آیتوں میں یہ بات خیال کے قابل ہے کہ ایمان اور نیکی والوں کو دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کی امید دلائی گئی ہے، مگر ہر جگہ یہ بتا دیا گیا ہے کہ دنیا کی ہر بھلائی سے آخرت کی

بھلائی اونچی اچھی اور پائدار ہے، اس لئے دنیا کی بھلائی ہماری زندگی کا اصل مقصد نہیں، بلکہ ضمنی ہو، یعنی آخرت کے کاموں کے صدقہ میں ہو، ورنہ اگر دنیا ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تو دنیا تو مل جائے گی، مگر آخرت ہاتھ نہ آئے گی:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۝ أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (ہود: ۲)

جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہے تو ہم ان کے عمل ان کو اسی دنیا میں بھر کر دیتے ہیں، اور کمی نہیں کی جاتی، یہ وہ ہیں جن کے لئے آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں، اور وہاں جو کیا تھا، مٹ گیا، اور ان کی کمائی اکارت ہوئی،

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ (شوریٰ: ۳)

جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے، تو ہم اس کی کھیتی بڑھاتے ہیں، اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہو تو ہم دنیا میں سے اس کو کچھ دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

مَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ (آل عمران: ۱۵)

جو دنیا کا ثواب چاہے گا تو اس میں سے ہم اس کو دیں گے، اور جو آخرت کا ثواب چاہے گا، اس میں سے ہم اس کو دیں گے، اور شکر گذاروں کو ہم پورا انعام دیں گے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ۝ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا (بنی اسرائیل: ۲)

جو کوئی چاہتا ہو، دنیائے عاجل کو تو ہم جلد دے دیتے ہیں، جس کو جو چاہتے ہیں، پھر ہم نے اس کے لئے دوزخ کو بنایا ہے، وہ اس میں داخل ہوگا برا ہوکر، دھکیلا جاکر، اور جو کوئی آخرت چاہے اور اس کی پوری کوشش کی اور وہ ایمان والا ہو تو وہی ہیں جن کی کوششوں کی قدر کی جائے گی۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (نساء: ۱۹)

تو جو کوئی دنیا کا ثواب چاہتا ہے تو (اس کو معلوم ہو) کہ اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے۔

پھر وہ کتنا احمق ہے جو صرف دنیا کے ثواب کا طالب ہے، حالانکہ خدا کے پاس تو دونوں جہان کے خزانے ہیں۔

غرض یہ ہے کہ جو تنہا دنیا کا طالب ہے وہ آخرت سے محروم ہے، لیکن جو آخرت کا طلبگار ہے، اس کے لئے دونوں گھروں کے دروازے کھلے ہیں، لیکن جو اپنی حماقت اور نادانی سے صرف دنیا کے ثواب کا طالب بنے گا، تو دنیا تو اس کو مل جائے گی، مگر آخرت کے ثواب کا دروازہ اس کے لئے بند ہو جائے گا۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت حکومت اور سلطنت اور دنیا کی سیادت ہے یہاں تک کہ کتاب اور نبوت کی دولت کے بعد اسی کا درجہ ہے:

فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا (نساء: ۸۰)

تو ہم نے ابراہیم والوں کو کتاب اور حکمت دی اور بڑی سلطنت بخشی۔

حضرت موسیٰؑ اپنی قوم سے کہتے ہیں:

يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا (مائدہ: ۴)

اے میرے لوگو! اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو، جب تم میں نبی بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا۔

حضرت موسیٰ کی یہ پیشین گوئی جو خبر کی صورت میں ہے، حضرت طالوت بادشاہ اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانہ میں پوری ہوئی۔ طالوت کی نسبت خبر دی گئی:

إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا (بقرہ: ۳۲)

بے شبہ خدا نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا۔

لوگ اس پر معترض ہوئے تو فرمایا:

وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ (بقرہ: ۳۲)

اور اللہ جس کو چاہے اپنی حکومت دے دے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو خطاب ہوا:

يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (ص: ۲)

اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس نعمت میں مزید وسعت کی دعا فرمائی:

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا

اے پروردگار! میری مغفرت کر اور

لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي (ص: ۳)

مجھ کو ایسی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو۔

یہ نعمت کسی انسان کے دینے لینے سے نہیں ملتی، اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، وہ جس کو چاہے دے، اور جس سے چاہے چھین لے:

اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ (آل عمران: ۳)

اے اللہ! اے سلطنت کے مالک تو جسے چاہے سلطنت بخشے اور جس سے چاہے، چھین لے۔

وہ دیتا کس کو اور چھینتا کس سے ہے؟ اس کے متعلق اس نے اپنا قاعدہ کلیہ بنا دیا ہے:

إِنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ (الانبیاء: ۷)

بے شک زمین کے مالک میرے صالح بندے ہوتے ہیں، اس اعلان میں خدا کے فرماں بردار لوگوں کے لیے پیام ہے۔

نعمت ملنے کی بشارت ملی تھی تو ساتھ ہی یہ بتا دیا گیا کہ یہ نعمت ان کے کن کاموں کا معاوضہ ہے، فرمایا:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (حج: ۶)

اور البتہ خدا اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتا ہے، بے شک اللہ زبردست قوت والا ہے، وہ کہ ہم اگر ان کو زمین میں جما دیں، تو وہ نماز کھڑی کریں، زکوٰۃ دیں، اچھے کاموں کو کہیں، اور برے کاموں سے روکیں، اور ہر کام کا انجام خدا کے اختیار میں ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جو اچھے کاموں کو کہے گا اور برے کاموں سے روکے گا، وہ پہلے خود اچھا ہوگا، اور برے کاموں سے باز رہتا ہوگا۔

خدا کی مدد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے دین حق کی مدد کی جائے، جو لوگ حق کی مدد کیلئے اٹھتے ہیں، خدا ان کی مدد فرماتا ہے، ان آیتوں سے یہ اشارہ بھی نکلا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں خدا کے قانون کے اجراء کی طاقت ہونی چاہیئے، چنانچہ اسلام میں سارے حدود و تعزیرات اسی منشا کے مطابق ہیں۔

زنا کی حد میں فرمایا:

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (نور: ۱)

اور تم کو ان دونوں (زانیوں) پر اللہ کی حد جاری کرنے میں کوئی ترس نہ آوے، اگر تم اللہ اور پچھلے دن پر یقین رکھتے ہو

سود کے اسلامی قانون کو جو نہ مانے اسے اللہ اور رسول سے لڑائی کے لئے تیار رہنا چاہیئے:

فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (بقرہ: ۳۸)

تو اے سود کھانے والو! اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے خبردار ہو جاؤ،

اس لئے نجران کے عیسائیوں سے آپ نے صلح کا جو معاہدہ کیا تھا، اس کی ایک دفعہ یہ بھی کہ اگر وہ سودی لین دین کریں گے، تو یہ معاہدہ ختم[1] ہو جائے گا، جو لوگ اسلام کے ملک میں بغاوت کریں، ڈاکہ ڈالیں، لوٹ مار کریں، قرآن اس کو خدا اور رسول سے لڑنا کہتا ہے، اور اس کی سزا قتل، پھانسی، قطع ید اور قید یا جلا وطنی ہے، اور ان کی اس بے کسی و بے بسی کی کیفیت کو عذاب اور دنیاوی رسوائی کہا ہے:

---

[1] ابوداؤد، باب اخذ الجزیۃ۔

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (مائدہ ۵)

یہ ان کے لئے رسوائی ہے دنیا میں، اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد جب فرعون نے اپنی شہنشاہی کے غرور میں بنی اسرائیل پر مظالم کے پہاڑ توڑنے شروع کئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دی:

اِسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (اعراف: ۱۵)

خدا سے مدد مانگو، اور ثابت قدم رہو، زمین تو خدا کی ہے (اور) وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے، اور آخر بھلا توڈرنے والوں کا ہے۔

بنی اسرائیل نے اس صبر و تسلی پر جو درحقیقت پیشین گوئی کی بشارت تھی، الٹا اضطراب ظاہر کیا تو پھر فرمایا:

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (اعراف: ۱۵)

قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور اس کی جگہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

آخر جب وعدۂ الٰہی کے پورا ہونے کا وقت آیا، تو فرعون کی شہنشاہی کا تخت الٹ گیا اور مصر کی وہی غلام و بے کس قوم خلافت الٰہی کے تاج سے سرفراز ہوئی:

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ

اور ہم نے اس قوم کو جو کمزور سمجھی جاتی تھی اس زمین کے پورب اور پچھم کا وارث

وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا	بنا دیا، جس میں ہم نے برکت دی ہے،
وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ	اور اللہ کی اچھی بات بنی اسرائیل کے
عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا	حق میں پوری ہوئی ان کے صبر کی وجہ سے،

(اعراف : ۱۶)

یہ نعمت ان کو حق کی راہ میں صبر واستقلال سے ہاتھ آئی اور دنیا کی برکت اور سرفرازی ان کو ملتی رہی، لیکن جب ان کے ہاتھ سے راہِ حق میں صبر واستقلال کا دامن چھوٹنے لگا اور پیغمبروں کے ماننے سے منہ پھیرنے لگے، تو دفعۃً عزت کا یہ تاج ان کے سر سے اتر گیا اللہ نے پیشین گوئی فرمائی

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي	اور ہم نے بنی اسرائیل کو خبردار کر دیا تھا
الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ	کہ تم دو دفعہ زمین میں فساد کروگے اور
مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا	بڑی سرکشی کروگے تو جب ان میں سے
فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا	پہلے وعدہ کا وقت آیا تو ہم نے ان پر
بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي	اپنے بڑے سخت بندوں کو بھیجا، تو وہ
بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا	ملک میں گھس گئے، اور اللہ کا وعدہ ہو کر
خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا	رہتا ہے، پھر ہم نے ان پر تم کو پھیرا،
مَّفْعُولًا ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ	اور تم کو مال اور اولاد سے مدد کی، اور
عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ	تمہاری تعداد بڑھائی اور کہہ دیا کہ اگر تم
وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا	نیکی کروگے تو اپنے لئے، اور برا کروگے
إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ	تو اپنا، پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت
وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاءَ	آیا تو اوروں کو تم پر ابھارا، تاکہ تمہارے

وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ	منہ بگاڑ دیں، اور بیت المقدس میں
وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ	ویسے ہی گھس جائیں، جیسے تمہارے
كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا	پہلے دشمن پہلی دفعہ اس میں گھس گئے تھے
مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا (بنی اسرائیل ۱)	اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے تباہ کردیں

اہل خبر کو معلوم ہے کہ قرآن پاک میں بنی اسرائیل کے واقعات جہاں اور دوسرے اغراض سے بیان کیے گئے ہیں، وہاں ایک غرض یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے لئے وہ عبرت کا سبق بنیں اور انہیں معلوم ہو کہ اگر وہ بھی خدا کے عہد کو پورا نہ کریں گے تو ان کے ساتھ بھی خدا کا یہی برتاؤ ہوگا،

اوپر کی آیتوں میں تصریح ہے کہ جب بنی اسرائیل کو خلافت ملی، تو انہیں پہلے ہی ہشیار کر دیا گیا تھا کہ یہ خلافت وسلطنت اُسی وقت تک ہے، جب تک احکامِ الٰہی کی پیروی کی جائے گی، جب تم ان سے منہ پھیر دوگے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی تم سے منہ پھیرے گی، چنانچہ اسلام سے پہلے یہودیوں کی تاریخ میں یہ دونوں موقعے پیش آئے، اور دو دفعہ ان کی شامت اعمال نے بیت المقدس کو پامال اور ان کو ذلیل ومحکوم ہونا پڑا، ایک بابل کے بادشاہ بنوکدنذر معروف بہ بخت نصر کے ہاتھوں، اور دوسری دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کے بعد رومیوں کے ہاتھوں سے۔

ان آیتوں سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ مذہبی سلطنت کا مٹ جانا، ظالم بادشاہوں کے پنجوں میں گرفتار ہونا، اور دوسروں کی محکومی جو خود ہمارے ہی برے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کا نمونہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے موقع پر ان کو آخری مہلت دی گئی، چنانچہ اوپر کی آیتوں کے بعد ہی ارشاد ہوا:

عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ	امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کریگا

عُدْتُّمْ عُدْنَا، وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا. اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا.

(بنی اسرائیل: ۱)

اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کروگے، تو ہم بھی وہی (پہلا سا سلوک) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قیدخانہ بنا رکھا ہے، یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے اجر عظیم ہے۔

یہ رحمت کی امید اسی شرط سے مشروط تھی کہ وہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں لیکن وہ جب اس سے محروم رہے تو رحمت الٰہی بھی دور ہوگئی، کیونکہ انھیں سنا دیا گیا:

اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ

(بقرہ: ۵)

تم میرا وعدہ پورا کرو، تو میں تمہارا وعدہ پورا کروں گا۔

بقرہ رکوع ۱۰ میں اسی میثاق الٰہی کی بار بار یاد دلائی گئی ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ. وَاِذْ

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہنا، تو چند شخصوں کے سوا تم سب (اس عہد سے) منہ پھیر

اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ. ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ

(بقرہ: ۱۰)

بیٹھے، اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں کشت و خون نہ کرنا اور اپنے کو ان کے وطن سے نہ نکالنا تو تم نے اقرار کرلیا، اور تم (اس بات کے) گواہ ہو، پھر تم وہی ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کردیتے ہو اور اپنے میں سے بعض لوگوں پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کرکے انھیں وطن سے نکال بھی دیتے ہو، اگر وہ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو بدلہ دے کر ان کو چھڑا بھی لیتے ہو، حالانکہ ان کا نکال دینا ہی تم کو حرام تھا (یہ) کیا (بات) ہے کہ تم کتاب (خدا) کے بعض احکام کو مانتے ہو، اور بعض سے انکار کیے دیتے ہو۔

لیکن ان کے اس عہد کو ہمیشہ کے لئے بھلا دینے پر اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو ہمیشہ کے لئے بھلا دیا اور فرمایا:

فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى

تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن

اَشَدِّ الْعَذَابِ ۔ (بقرہ : ۱۰)

سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیے جائیں۔

مسجدوں کی ویرانی اور خصوصاً بیت المقدس کی ظاہری و باطنی تباہی کے جرم پر اہل کتاب کو یہ سزا سنادی گئی :

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِہَا ط اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَہُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْہَا اِلَّا خَآئِفِیْنَ ط لَہُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَہُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۔ (بقرہ : ۱۴)

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو خدا کی مسجدوں میں خدا کے نام کا ذکر کیے جانے کو منع کرے اور ان کی ویرانی میں ساعی ہو، ان لوگوں کو کچھ حق نہیں کہ ان میں داخل ہوں، مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہوں اور خدا کی زمین میں فساد اور غارتگری پھیلاتے ہوں، ان کے لئے دنیا کی سزائیں بھی مقرر کی گئیں اور کہا گیا کہ ان کو مار ڈالا جائے، ان کو سولیوں پر لٹکایا جائے، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں، ان کو ملک سے باہر یا قید کر دیا جائے :

ذٰلِکَ لَہُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَہُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (مائدہ : ۵)

یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا (بھاری) عذاب (تیار) ہے۔

یہود کے رئیسوں اور عالموں کو جنھوں نے کتاب الٰہی کو چھوڑ کر اپنے رسوم و عادات کو اپنی شریعت بنا لیا تھا، یہ سزا سنادی گئی :

لَہُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَہُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (مائدہ : ۶)

دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔

اسی طرح وہ لوگ جو کتاب و دلیل کے بغیر اپنے اوہام اور باطل خیالات کی بنیاد پر دین میں کج بحثی کرتے ہیں، اور دنیاوی جاہ و دولت کے غرور میں حق کی راہ سے منہ پھیرتے ہیں، ان کیلئے بھی آخرت کے عذاب کے علاوہ دنیا کی رسوائی بھی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا ھُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ثَانِیَ عِطْفِہٖ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط لَہٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّنُذِیْقُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۔ (حج : ۱)

اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو خدا (کی شان میں) بغیر علم (و دانش) کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کتاب روشن کے جھگڑتا ہے اور (تکبر سے) گردن موڑ لیتا ہے، تاکہ (لوگوں کو) خدا کے راستے سے گمراہ کر دے، اس کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور قیامت کے دن ہم اسے عذاب (آتش سوزاں) کا مزہ چکھائیں گے۔

یہود نے جب گائے کے بچھڑے کا بت بنا کر پوجا تو موسیٰ علیہ السلام کو وحی الٰہی نے خبردار کر دیا :

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُہُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ

(خدا نے فرمایا) جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنا لیا تھا، ان پر پروردگار کا

وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ.

(اعراف: ۱۹)

غضب واقع ہوگا، اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم افترا پردازوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں،

یہی نہیں، بلکہ ہمیشہ کے لئے ذلت، قومی مسکنت اور غضب الٰہی کے مستوجب ٹھہرائے گئے، کیونکہ انھوں نے احکام الٰہی سے انحراف کیا، خدا کے رسولوں کو قتل کرتے اور حدود الٰہی کو توڑتے رہے،

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ.

(بقرہ: ۷)

اور (آخرکار) ذلت (اور رسوائی) اور محتاجی (و بے نوائی) ان سے چپٹا دی گئی، اور وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہوگئے، یہ اس لئے کہ وہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے (یعنی) یہ اس لئے کہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔

آخر الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد ان کے لئے مہلت کا آخری موقع تھا، لیکن ان کی سرکشی بدستور قائم رہی، اس پر خدا نے قیامت تک کے لئے ذلت و مسکنت اور غیروں کی غلامی ان کی قسمت میں لکھ دی:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ

یہ جہاں نظر آئیں گے، ذلت (کو دیکھو گے کہ) ان سے چمٹ رہی ہے،

وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ

(آل عمران: ۱۲)

بجز اس کے کہ یہ خدا اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آجائیں اور یہ لوگ خدا کے غضب میں گرفتار ہیں اور ناداری ان سے لپٹ رہی ہے یہ اس لئے کہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے (اور اس کے) پیغمبروں کو ناحق قتل کر دیتے تھے یہ اس لئے کہ یہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔

دوسری سورہ میں ہے:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

(اعراف: ۲۱)

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے (یہود کو) آگاہ کر دیا تھا کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے اشخاص کو مسلط رکھے گا، جو ان کو بری بری تکلیفیں دیتے رہیں بیشک تمہارا پروردگار جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔

یہود کی پوری تاریخ شروع سے آج تک قرآن پاک کی اس صداقت پر گواہ ہے، تاریخ کا کون سا دور ہے، جب ظالم بادشاہوں اور وقت کی بڑی بڑی سلطنتوں کے ہاتھوں انھوں نے اپنے کئے کی سزا نہیں پائی ہے، اور آج بھی دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہمارے مفسروں نے اس دنیاوی عذاب، ذلت، نکبت اور مسکنت کی تفسیر "جزیہ" سے یعنی ان کی دائمی محکومی اور غلامی سے کی ہے، قرآن پاک کی دعا میں ہے:

اَللّٰھُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ	اے اللہ! سلطنت کے مالک! تو جس کو
مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ	چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ	چھین لے، جس کو چاہے عزت دے اور جس کو
بِیَدِكَ الْخَیْرُ.	چاہے ذلت دے.

ان آیتوں میں لف ونشر مرتب ہے، یعنی ان میں سلطنت کے ملنے کو عزت اور سلطنت کے چھن جانے کو ذلت سے تعبیر فرمایا گیا ہے لیکن یہاں ہمارے سمجھنے کے قابل یہ بات ہے کہ یہود پر یہ جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوگا اس کا تعلق یہود کی نسل و قومیت سے نہیں بلکہ ان کے افعال و کردار سے ہے، احکام الٰہی سے انحراف، انبیاء و مصلحین امت کا قتل و تکذیب، حرص و طمع، سود خواری اور تمام دیگر ذمائم و قبائح جن کی تفصیلات مذکور ہیں، وہ اس کے ذمہ دار ہیں کہ وہ زمین کی وراثت اور خدا کی خلافت کے رتبہ سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیے گئے، پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا.

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُھُمْ	(خدا نے فرمایا کہ) جن لوگوں نے بچھڑے کو
غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَذِلَّةٌ فِی	(معبود) بنا لیا تھا، ان پر پروردگار کا غضب
الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِی	واقع ہوگا، اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب
الْمُفْتَرِیْنَ. (اعراف : ۱۹)	ہوگی) ہم افترا پردازوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں

یہ ذلت کا دنیاوی عذاب صرف گائے کے بچہ کے پجاریوں ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر اس مفتری کے لئے ہے، جو توحید کا حامل ہو کر غیر کے آستانے کی جبہہ سائی کرے گا اور ارض و سما کے مالک کو چھوڑ کر دنیا کے دوسرے چھوٹے مالکوں کی تلاش و طلب میں در بدر پھریگا، مگر عزت کا سرمایہ اس کو ہاتھ نہ آیگا،

وَمَنْ یُّھِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ	اور جس کو (اس کے اعمال کے پاداش میں) خدا
(حج : ۲)	رسوا کرے، اس کو عزت دینے والا کوئی نہیں

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت　بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

(باقی)

امام الحرمین عبد الملک جوینیؒ

از شاہ نصر احمد پھلواروی، معاون رفیق دار المصنفین

(۲)

امام الحرمین کا سفر بغداد والد کے انتقال کے بعد امام سات برس اپنے وطن نیشاپور میں رہے، اس عرصہ میں ان کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا، تصنیف و تالیف، تدریس و افتاء اور تقریر و خطابت ہر میدان میں ان کے قدم آگے بڑھ رہے تھے، گمراہ فرقوں سے مناظروں کا سلسلہ بھی رہتا تھا، ان سرگرمیوں کی وجہ سے وہ کندری کی نظر میں تھے، اس لئے انھیں خاص طور پر شہر چھوڑ دینے کا حکم ہوا، امام نے پہلے ہی اس کا اندازہ کر لیا تھا، چنانچہ انھوں نے نیشاپور سے باہر نکل کر عسکر میں قیام کیا، امام کے شہر سے روانہ ہوتے ہی نیشاپور میں ہلچل مچ گئی، علماء و صلحاء کی ایک بڑی جماعت مقام عسکر میں آکر جمع ہو گئی اور وہاں سے امام الحرمین کی قیادت میں یہ قافلہ بغداد کی طرف روانہ ہوا[1]

بغداد میں امام کے مشاغل دولت عباسیہ کے قیام اور دار الخلافت بغداد کی تعمیر پر تین صدیاں گذر چکی تھیں، اس وقت مسند خلافت پر قائم بامر اللہ متمکن تھا، لیکن ہارون و مامون اور معتصم و متوکل کی شان و سطوت قصۂ پارینہ بن چکی تھی، ہر طرف طوائف الملوکی کی گرم بازاری تھی خلیفہ کی حیثیت تبرک سے زیادہ نہ تھی، دار الخلافت بساسیری کے استبداد سے بدحال تھا، آخر کار خلیفہ نے

[1] مرآۃ الجنان ج ۳ : ۱۲۵، تبیین : ۲۰۰، الاعلام ج ۲ : ۵۹۰.

طغرل بیگ کو اس کی سرکوبی کے لئے دعوت دی، چنانچہ نیشاپور سے امام الحرمین اور ان کے رفقاء کے بغداد آنے کے بعد ۴۴۷ھ میں طغرل بیگ نے بغداد میں قدم رکھا، بساسیری کے اقتدار کا خاتمہ ہوا، اور دار الخلافت سلجوقیوں کے زیر اثر آگیا، اس طرح امام جس سلطنت سے نکلے تھے، پھر اسی کے حدود میں داخل ہو گئے[1]۔

بغداد اس وقت جملہ ادیان و مذاہب کی پناہ گاہ اور افکار و نظریات کی رزم گاہ بن گیا تھا، یہاں ہر شخص کو فکر و اعتقاد کے بارے میں آزادی حاصل تھی، اور مناظروں کا بازار گرم رہتا تھا، ابھی تک بغداد میں اعلیٰ پایہ کی کوئی ایسی درسگاہ قائم نہیں ہو سکی تھی، جو مدرسۂ نیشاپور کی ہم پلہ ہو، لیکن مشاہیر بغداد کے حلقہائے درس کی شکل میں بکثرت تعلیم گاہیں قائم تھیں، جو اپنی گراں بہا وسیع علمی خدمات کی بنا پر شہرہ آفاق تھیں، ان کی بنا پر اکناف عالم کے علماء و فضلاء کے لئے بغداد ایک مرکز کشش بن گیا، امام کلام و عقائد کی طرف طبعی میلان کی وجہ سے بغداد کی اس وسعت اور رنگا رنگی سے بہت جلد مانوس ہو گئے، وہاں مختلف اہل مذاہب سے تبادلۂ خیالات اور بحث و گفتگو کا موقع ملا، انھوں نے ہر مذہب کے بارے میں پوری واقفیت حاصل کی اور اس کے ساتھ اہل سنت والجماعت خصوصاً شافعی و اشعری اکابر علماء سے اکتساب علم بھی کرتے رہے، اس طرح ان کے کلامی جوہر میں مزید نکھار اور آب و تاب پیدا ہو گئی، اور تھوڑے ہی عرصہ میں انھوں نے اپنی علمی جامعیت اور وسعت نظر کی بنا پر اصحاب علم و کمال کی بزم میں ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا، اور ان کی فنی مہارت، عقلی موشگافی، علمی نکتہ آفرینی اور دقیقہ سنجی کی سارے بغداد میں دھوم مچ گئی، صاحب طبقات الشافعیہ کا بیان ہے:

ویلتقی بالاکابر من العلماء	اکابر علماء سے ملتے، ان سے

[1] تاریخ الخلفاء ۴۲۲، ابوالفداء ج۲، ۱۷۳، تاریخ گزیدہ ج۱، ۴۳۶، تاریخ دول الاسلام ج۲، ۹۶

ویدارسهم ویناظرهم حتی	تبادلۂ خیالات اور مناظرہ کرتے تھے
طار ذکرہ فی الاقطاع	اس کی وجہ سے سارے ملک میں
وشاع ذکرہ واسمہ	ان کا نام لیا جانے لگا اور ان کے
فملأ الدیار[1]	آوازۂ شہرت سے ساری دنیا گونج اٹھی۔

اس وقت مذاہب اربعہ کے مشاہیر اہل علم اور صاحبان تدریس و تصنیف میں خطیب بغدادی، قاضی ماوردی شافعی، قاضی ابو عبداللہ دامغانی حنفی، ابوالفضل محمد بن عبداللہ ابن عمروس مالکی، ابو محمد حسن بن علی جوہری، ابوالحسن علی بن ابراہیم باقلانی اور ابو اسحٰق ابراہیم بن عمر جیسے نوابغ روزگار اور فضلاء عصر مدینۃ العلم بغداد کے علماء نامدار اور وہاں کی مجالس علمی کے درشاہوار تھے۔

بغداد کی مناظرانہ فضا نے امام کے کلامی جوہر کو مزید جلادی، اور انھیں اس رزمگاہ میں مرکز نگاہ اور مرجع خلائق بنا دیا، لیکن علم حدیث کی تشنگی اب بھی باقی تھی، ہر چند کہ وہ متعدد مشائخ سے حدیث کی قرات و سماعت کا شرف کمسنی ہی میں حاصل کر چکے تھے، پھر ذرا بڑے ہوئے تو اپنے والد شیخ جوینی اور قاری ابو عبداللہ خبازی سے باقاعدہ حدیث کا درس لیا، ابو سعد عبدالرحمن بن حسن بن علیک سے سنن دارقطنی کی سماعت کی، فقہ کے اختلافی مسائل میں وہ انھیں احادیث پر اعتماد کرتے تھے، منصور کی چالیس احادیث کا مجموعہ بھی کتاب الاربعین کے نام سے مرتب کیا تھا، اپنے شاگردوں کو اس کا درس بھی دیتے تھے، عبدالغافر فارسی کہتے ہیں کہ میں نے امام سے یہ چالیس حدیثیں سنی ہیں[2]۔

[1] شذرات الذہب ج۳، ۳۵۹، طبقات ج۳، ۲۵۲، [2] تبیین ۲۸۵، طبقات ج۳، ۲۵۲۔

ان محدثین کے علاوہ دوسرے مشاہیر اہل علم سے بھی سند واجازت کا ثبوت ملتا ہے، ابن خلکان نے لکھا ہے

وسمع الحديث من جماعة كثيرة من علمائها، وله اجازة من الحافظ ابي نعيم الاصبهاني صاحب حلية الاولياء[1]

علمائے حدیث کی کثیر جماعت سے حدیث کی سماعت کی اور حافظ ابونعیم اصبہانی صاحب حلیۃ الاولیاء سے بھی اجازت حدیث حاصل کی۔

ان محدثین سے سماعت واجازت کے باوجود بغداد میں بھی امام نے اپنے ذوق کی سیرابی کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا، اور محمد الجوہری کی طرف رجوع ہوئے جو اپنی محدثانہ حیثیت کی بنا پر بغداد میں خاص امتیاز رکھتے تھے، ابن جوزی نے اس کی تصدیق کی ہے[2]

بغداد جیسے علم وفن کے مرکز میں امام کا اتنا ممتاز ہونا ان کی عظمت وکمال کی دلیل ہے ان کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ امام جس وقت بغداد میں آئے تھے، صرف چھبیس ۲۶ سال کے تھے، لیکن سفر بغداد اور وہاں کا قیام ان کے صحیفۂ حیات کا اتنا اہم باب ہے کہ اگر وہ مہاجر بغداد نہ ہوتے تو شاید امام الحرمین بھی نہ ہوتے، اس کم سنی میں یہ سفر ہجرت ان کے لئے رحلت علمی ثابت ہوا۔

سفر حجاز ۴۴۵ھ میں امام الحرمین بغداد آئے تھے اور آٹھ سال کے بعد جب کہ ان کی شہرت کی بازگشت پورے اسلامی قلمرو میں سنی جارہی تھی، بیت اللہ کی کشش نے ان کو اپنی طرف کھینچا اور وہ عازم کعبہ ہوئے، حکومت کی زیادتیوں سے اشاعرہ پر وطن کی زمین تنگ ہوگئی تھی اور امن وسکون کی خاطر وہ دوسرے شہروں کا رخ کر رہے تھے، اس سلسلہ میں مذہبی مرکز اور

۱ ابن خلکان ج ۱، ۵۱۵ ۲ الکامل ابن اثیر ج ۱۰، ۵۰، المنتظم ج ۹، ۱۸۔

دار الامن ہونے کی وجہ سے حجاز خاص طور سے ان کی پناہ گاہ تھا، موسم حج میں یہ لوگ حجاز میں جمع ہوجاتے تھے، امام الحرمین نے حجاز میں طویل قیام کیا اور وہاں وعظ وتذکیر کے ذریعہ اصلاح عام کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے، اور درس وافتا اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ علم کی اشاعت بھی کرتے رہے، ان کا دن خلق کے ہجوم میں اور شب خالق کے حضور میں گذرتی تھی، رات کو طواف کعبہ اور تہجد میں مشغول رہتے تھے، علامہ سبکی نے لکھا ہے:

وجاور بمكة اربع سنين يدرس ويفتي ويجتهد في العبادة ونشر العلم حتى تشوف به ذلك النادي واشرقت قلاع ذلك الوادي واسبلت عليه الكعبة ستورها واقبلت عليه وهو يطوف بها كلما اسود جنح الليالي بيمن ديجورها ووصفت نيته مع الله[1]

وہ مکہ معظمہ میں چار سال تک درس وافتا عبادت وریاضت اور علم کی نشر واشاعت میں مصروف رہے، ان کی ذات سے مکہ کی مجالس کو شرف حاصل ہوا، اور وادی حجاز کے دشت وجبل روشن ہوگئے، ان کے طواف کے وقت کعبہ نے اپنے غلاف کے سایہ میں لیکر ان کا خیر مقدم کیا اور جب رات کی تاریکی چھاجاتی تو وہ اس کو روشن کردیتے اور ان کی نیت اللہ کے ساتھ خالص ہوجاتی۔

قیام حجاز کے علمی کارناموں میں سب سے زیادہ اہمیت ان کے فتاوی کو ہے، ان کے پاس دور دور سے استفتے آتے تھے، وہ عام مفتیوں کی طرح کسی ایک مذہب کے جزئیات کے مطابق فتوی نہیں دیتے تھے، انھیں جملہ مذاہب پر عبور حاصل تھا، ان کی نظر وسیع

۱ طبقات الشافعیۃ ج ۳، ۲۵۲۔

اور فکر عمیق تھی، اس بنا پر ان کے جوابات بڑے اہم اور گراں قدر ہوا کرتے تھے، حجاز میں ان کے تبحر کی شہرت کا باعث ان کے یہی فتاوے ہوئے، ابن خلکان کا بیان ہے:

ثم خرج الی الحجاز وجاور بمکة اربع سنین یدرس ویفتی و یجمع طرق المذهب[1]

حجاز تشریف لے گئے، چار سال تک مکہ میں قیام کیا اور درس و افتار کی خدمت انجام دیتے رہے، ہر ایک مذہب میں فتویٰ دیتے تھے۔

امام کا قیام زیادہ تر مکہ مکرمہ ہی میں رہا، تذکرہ نگاروں نے مدینہ منورہ کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن وہاں کے مدت قیام کی تصریح نہیں کی ہے، صرف ابوبکر بن ہدایت اللہ مصنف نے لکھا ہے کہ دس دن مدینہ میں قیام رہا، ان کے الفاظ ہیں:

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے مدینہ حاضر ہوئے ...... اور دس دن وہاں قیام کیا[2]"

امام الحرمین کا لقب امام الحرمین کا شاندار لقب سرزمین حرم ہی کا عطیہ ہے، اس کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ لوگ عبدالملک جوینی کو بھول گئے اور امام الحرمین سب کی زبانوں پر چڑھ گیا، تمام سوانح نگار اور تذکرہ نویس ان کا اسی لقب سے ذکر کرتے ہیں، لیکن کس بنا پر یہ لقب دیا گیا، اس بارہ میں تذکرہ نگار مختلف الرائے ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ حرمین شریفین میں صلوات خمسہ کی امامت کرتے تھے، اس لئے ان کو امام الحرمین کہا گیا، ابوالفدار بھی انھیں لوگوں کے خیال سے متفق معلوم ہوتے ہیں[3]، لیکن یہ توجیہ قرین قیاس نہیں ہے، اصل میں ان کو

---

[1] ابن خلکان ج ۱، ۵۱۵، مفتاح السعادة ..... تبیین ۲۸۰۔ [2] ابوبکر حسینی مصنف کی طبقات الشافعیہ ص ۹۲۔ [3] ابوالفدار ج ۲: ۲۶۰

یہ لقب اس لئے ملا کہ حرمین شریفین میں ایک طویل عرصہ تک ان کا قیام رہا، اور اس قیام کے دوران وہاں کے اہل علم ان کے علمی تفوق کا اعتراف کرتے تھے اور اہم مسائل میں ان کی طرف رجوع ہوتے تھے، مورخین نے بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے، صاحب مرأة الجنان لکھتے ہیں:

وجاور بمکة اربع سنین یدرس ویفتی ویجمع طرق المذهب ویقبل علی التحصیل وبهذا قیل له امام الحرمین قلت هکذا قیل انه لقب بهذا اللقب بهذا السبب وکانه صار متعینا فی الحرمین متقدما علی علمائها مفتیا فیهما ویحتمل انه علی التفخیم له کما هو العادة فی اقوالهم ملك البحرین وقاضی الخافقین ونسبة امامته فی الحرمین لشرفهما توصل الی الاشارة الی شرفه وفضل براعته ونبله و تحقیقه وفهمه وعند الله فی ذلك حقیقة علمه[1]

امام نے چار سال مکہ میں قیام کیا، درس دیتے اور تمام مذاہب کے طریقوں پر فتویٰ دیتے اور علم بھی حاصل کرتے، اسی لئے امام الحرمین کہلائے، گویا وہ حرمین میں متعین ہو گئے تھے، وہ وہاں فتویٰ دیتے تھے اور وہاں کے علماء پر انھیں تقدم حاصل تھا، اور احتمال یہ بھی ہے کہ تعظیم کے لئے ان کو امام الحرمین کہا گیا، جیسا کہ عام محاورہ ہے کہ تعظیم کے لئے ملک البحرین اور قاضی الخافقین کہا کرتے ہیں، اور حرمین شریفین کی طرف ان کی امامت کی نسبت ان دونوں (مقدس شہروں) کے شرف کی وجہ سے ہے، جس سے امام کے شرف و برتری، تیزی و دراکی اور تحقیق و فہم کی طرف اشارہ ہے، حقیقت کا علم اللہ کو ہے،

---

[1] مرأة الجنان ج ۲، ۱۲۵، الکامل ابن اثیر ج ۱۰، ۱۱

نیشاپور کے سیاسی انقلابات سلجوقی پایۂ تخت نیشاپور، فتنہ کندری میں ارباب فضل وکمال سے تقریباً خالی ہوگیا تھا، وہاں شوافع اور اشاعرہ کی اکثریت تھی اور یہی لوگ عمید کے ہدف ستم بنے، خراسان کے علاوہ حجاز، شام، عراق بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکے اور وہاں کے علما نے اس قیامت خیز شورش کے خلاف احتجاج کیا، حافظ ابوبکر بیہقی نے کندری کے پاس ایک طویل مراسلہ روانہ کیا اور شیخ ابوالقاسم قشیری نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام "شکایۃ اہل السنۃ بما نالھم من المحنۃ" ہے، نیشاپور میں اعاظم اشاعرہ کی مسندیں نوحہ خواں تھیں، مدارس سنسان تھے، امام الحرمین کے مناظرے اوران کے مذہبی رزم وپیکار کی خموشی سے قدریہ ومجسمہ وغیرہ دوسرے فرقوں کے لئے میدان خالی تھا، یہ اہل ہوا بلند عہدوں اور مناصب پر فائز ہوئے اور نیشاپور میں موجود اہل حق عزلت نشین ہوگئے، خراسان کی مساجد میں دس[1] سال تک امام ابوالحسن اشعری پر برسر منبر سب وشتم جاری رہا، علامہ سبکیؒ نے لکھا ہے:

وصار لابی الحسن بھا اسوۃ لعلی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ فی زمن بعض بنی امیۃ	اور شیخ ابوالحسن علی کی مثال حضرت علیؓ بن ابی طالب جیسی ہوگئی، یعنی حضرت علیؓ کی شان میں بعض بنی امیہ کے زمانہ میں نازیبا الفاظ کہے جاتے تھے اسی طرح شیخ ابوالحسن اشعری کو برا بھلا کہا جاتا تھا۔

کندری کا خاتمہ ۴۵۵ھ میں طغرل بیگ کا انتقال ہوگیا، اور الپ ارسلان تخت نشین ہوا اس عہد کے آغاز ہی میں عمید کا ستارۂ اقبال غروب ہوگیا، پے درپے سلطان کی ناراضی کے

۱؎ طبقات ج ۲، ۲۷۰۔

اسباب مہیا ہوتے گئے، بالآخر محرم ۴۵۶ھ میں اسے مرو روذ کے قید خانہ میں پہونچا دیا گیا، اور اسی سال کے آخر میں اپنے اعمال کی سزا میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، اور اب نظام الملک جو شریک وزارت تھا، تنہا مختار کل بن گیا۔

نظام الملک طوسی کا دور وزارت نامور سلاطین اسلام نے جن اشخاص کے سہارے تاریخ عالم میں اپنی شوکت وسطوت کے نقوش جاوداں ثبت کئے ہیں، انھیں میں نظام الملک بھی ہے جس کے دور وزارت میں سلجوقی سلطنت نقطۂ عروج پر پہونچی، وہ الپ ارسلان کا دست راست اور ملک شاہ کا وزیر مختار تھا، یہ پہلا وزیر ہے جس نے تعلیم گاہوں کو مساجد وزوایا سے نکال کر پرشکوہ اور عالی شان عمارتوں میں منتقل کردیا اور پوری مملکت اسلامیہ کو ان عمارتوں سے مزین اور علم ودانش کے آوازہ سے پرشور کردیا، اس کے تعمیر کردہ مدارس سے کوئی شہر خالی نہیں رہا، یہاں تک کہ جزیرہ ابن عمرو جیسے دور دراز مقامات میں بھی ایک بڑا مدرسہ قائم ہوگیا، کسی زمانہ میں یہ مدرسہ رضی الدین کہلاتا تھا[1]، نظام الملک خود بھی عالم وفاضل، حافظ قرآن اور عالم حدیث تھا، اس نے مرو، نیشاپور، اصفہان اور بغداد کے شیوخ سے حدیث کا درس لیا اور جامع مہدی میں حلقۂ درس قائم کیا، اس کی علم دوستی کا بڑا مظہر نظامیہ بغداد ہے جسے بجا طور پر دارالعلوموں اور یونیورسٹیوں کا ابوالآباء کہا جاسکتا ہے، یہاں تین سو برس سے زیادہ علوم وفنون کے چشمے رواں رہے، اور ایسے اہل علم پیدا ہوئے، جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک دارالعلوم تھا، نظام الملک نے قلمدان وزارت ہاتھ میں لیتے ہی ان تمام بے اعتدالیوں اور زیادتیوں کا خاتمہ کیا، جو کندری کے زمانہ سے رائج تھیں، امام ابوالحسن اشعری اوران کے متبعین پر لعن طعن اور تکفیر کو جرم قرار دیا، علمائے حق کو نیشاپور آنے کی دعوت

۱؎ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین ج ۱، ۲۵ ۲؎ الکامل ابن اثیر ج ۱۰، ۱۱-۷۲

دی، اور ان سے اعزاز واکرام کے ساتھ پیش آیا۔[1]

امام الحرمین کی مراجعت وطن سنہ ۴۵۶ھ کے موسم حج میں عالم اسلام سے آنے والے فرزندان توحید میں صرف عراق وخراسان کے چار سو مفتی، قاضی اور ائمۂ علم وارشاد موجود تھے، ان میں قضاۃ کی تعداد زیادہ تھی، اسی لئے اس موسم حج کو تاریخ نے "سنۃ القضاۃ" کا نام دیا ہے، جو ائمۂ علم اس موقع پر موجود تھے، ان میں امام الحرمین، ابوالقاسم قشیری، ابوبکر احمد بن حسن بیہقی اور قاضی علی الدہقان مروزی جیسے نامور اصحاب علم کے نام صراحت کے ساتھ ملتے ہیں، صاحب طبقات الشافعیہ نے صراحت کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔[2]

مناسک حج سے فراغت کے بعد نامور علمائے اسلام حرم میں جمع ہوئے اور ابوالقاسم قشیریؒ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا:

یا اھل خراسان ان بلادکم ،	اے اہل خراسان اب تمہارا ملک تمہارا
ان الکندری غربیکم قطع اِربًا اِربًا	ملک ہے، کندری ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا،
وفرقت اعضاءہ وھا انا اشاھد	میں اس وقت اس کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔
الساعۃ۔	

امام قشیریؒ نے اپنے نور بصیرت سے جو دیکھا تھا، واقعات نے اس کی تصدیق کی، صاحب طبقات کا بیان ہے کہ اسی روز کندری قتل ہوا، ابن خلکان اور ابوالحسن علی بن ابی الفوارس نے لکھا ہے کہ یکشنبہ ۱۶ ذی الحجہ کو یہ واقعہ پیش آیا[3]، اسی روز نظام الملک وزیر سلطنت بنا۔ "سنۃ القضاۃ" کا یہ دن بھی کیسا عجیب تھا کہ ایک ظالم وزیر کا نقش وجود صفحۂ ہستی سے مٹا، اور دوسرا وزیر عادل

---

[1] الکامل ابن اثیر ج ۱۰، ۱۱ - ۱۲ [2] طبقات الشافعیۃ الکبری ج ۳، ۲۴۶ [3] ابن خلکان ج ۲، ۳۹۱، اخبار الدولۃ السلجوقیۃ ۲۵۔

بساط سیاست پر جلوہ گر ہوا، اور پھر ان علمائے حق اور فضلائے باکمال کو جو ابھی تک معتکف حرم تھے اپنے وطن میں آنے کا موقع ملا، اس انقلاب کے بعد علماء کی مراجعت شروع ہو گئی، نظام الملک کی دلی خواہش تھی کہ خزاں رسیدہ چمن میں پھر بہار آئے، اس وقت مملکت سلجوقیہ کیا، پورے عالم اسلام میں جن بزرگوں کی شہرت وعظمت کا آوازہ بلند تھا، وہ امام الحرمین، شیخ ابوالقاسم قشیری، شیخ ابواسحٰق شیرازی اور ابوعلی فارمدی تھے، علم کی بیکرانی، فکر کی ہمہ گیری، نظر کی وسعت، عمل کی جامعیت اور دین وملت کی خدمت میں سبھی ممتاز تھے، مگر امام الحرمین کی شخصیت ان سب میں زیادہ نمایاں نظر آتی ہے، اس لئے مورخین نے ان کی تشریف آوری کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔[1]

یہ وہ مبارک ومسعود ساعت تھی کہ عبدالملک جوینی ایک طویل علمی سیاحت کے بعد امام الحرمین ہو کر اپنے محبوب وطن میں اس شان سے آئے کہ خاک وطن ہر قدم پر پابوس ہو رہی تھی، اہل نیشاپور گلہائے عقیدت نثار کر رہے تھے، اور نیازمندانِ قدیم کلماتِ مدح وتوصیف کے ساتھ ان کا استقبال کر رہے تھے۔

امام الحرمین اور نظام الملک کے تعلقات و روابط نظام الملک کے دربار میں ائمۂ ومجتہدین، عرفاء وصوفیہ اور شعراء وادبا کا بڑا دلکش اجتماع ہوتا تھا، مورخین متفق اللفظ ہیں کہ

وکان مجلسہ عامرًا بالفقھاء	اور نظام الملک کی مجلس فقہا، ائمہ
وأئمۃ المسلمین واھل الدین[2]	مسلمین اور مذہبی رہنماؤں سے بھری
	رہتی تھی۔

اس میں علوم وفنون کے دریا رواں رہتے تھے، فقہی واجتہادی مسائل اور ادب ولغت کے

---

[1] ابن خلکان ج ۱، ۵۱۵ [2] ایضاً

دفتر میں بہت سے بیش بہا اضافے اس مجلس نظامی کی دین ہیں، بعض اوقات ان علمی صحبتوں کی وجہ سے سیاسی کاموں میں خلل ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ نظام الملک کے حاجب نے اس سے کہا کہ آپ کے اوقات علماء کے ساتھ اس قدر مصروف رہتے ہیں کہ دیگر امور سلطنت کے انجام پانے میں تعویق ہوتی ہے، اس لئے اوقات کی رعایت ملحوظ رکھئے، یہ سن کر نظام الملک نے کہا:

هٰذه الطائفة ارکان الاسلام وهم جمال الدنیا والآخرة ولو اجلست کلامنهم علی رأسی لا ستقللت لهم ذلك	یہ گروہ ستون اسلام ہے، یہ لوگ دنیا وآخرت کی زینت ہیں، اگر ان میں سے ہر ایک کو میں اپنے سر پر بٹھاؤں تو بھی ان کے لئے کم سمجھتا ہوں۔

ان مدارس پر سالانہ تین لاکھ صرف ہوتے تھے، اس سے خزانہ عامرہ پر بڑا بار پڑتا تھا، اس لئے ایک بار ملک شاہ نے کہا کہ اگر اتنی بڑی رقم فوج اور محکمۂ دفاع پر صرف کی جاتی، تو رقبۂ سلطنت قسطنطنیہ تک وسیع ہو جاتا، لیکن وزیر موصوف نے جواب دیا کہ فوج پر سلطان کی فیاضی اس سے مضاعف ہے، لیکن ان ناوک اندازوں کے تیر ایک میل سے آگے نہیں بڑھتے مگر میں اس رقم سے ایسی زبردست فوج تیار کر رہا ہوں، جس کی دعاؤں کے تیر عرش تک پہونچتے ہیں

کاشانۂ وزارت میں یوں تو اس برگزیدہ جماعت کے ہر ایک فرد کی پذیرائی ہوتی تھی لیکن چند نفوس قدسیہ کا احترام خاص طور پر کیا جاتا تھا، یعنی شیخ ابو علی فارمدی، شیخ ابو القاسم قشیری، ابو اسحٰق شیرازی کہ ان کی آمد کے وقت نظام الملک اپنی جگہ پر کھڑا ہو جاتا تھا، امام الحرمین اگرچہ سن و سال کے لحاظ سے ان لوگوں کے برابر نہ تھے، لیکن ان کے مرتبہ علمی کی وجہ سے ان کی تعظیم کے لئے وہ سروقد کھڑا ہو جاتا تھا۔ شیخ ابو القاسم قشیری اور امام الحرمین کے درمیان تفاوت عمر اس قدر تھا کہ شیخ کے دو لڑکے امام سے عمر میں بڑے تھے، ابن جوزی کا بیان ہے کہ شیخ ابو علی فارمدی کو

نظام الملک اپنی جگہ پر بٹھاتا تھا اور خود ان کے سامنے مودب ہو جاتا تھا اور ابو القاسم قشیری اور امام الحرمین کے لئے صرف قیام تعظیمی پر اکتفا کرتا تھا، شیخ فارمدی کے ساتھ وزیر موصوف کا یہ امتیازی سلوک امام کو ناگوار ہوا اور انھوں نے نظام الملک کے حاجب سے اس کا اظہار بھی کیا، نظام نے جواب دیا کہ امام الحرمین، ابو القاسم اور دوسرے علماء میرے سامنے میری تعریف کرتے ہیں، اور شیخ ابو علی میری فروگذاشتوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور مجھ سے جو بے اعتدالیاں سرزد ہوتی ہیں، ان پر تذکیر و موعظت کرتے ہیں، لیکن دوسرے اس بیان سے متفق نہیں ہیں، ابن خلکان اور ابن العماد حنبلی نے تصریح کی ہے کہ وزیر موصوف امام الحرمین کی تعظیم و تکریم اس سے زیادہ کرتا تھا، اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

قام لهما واجلسهما معه فی المقعد۔	وہ ان دونوں کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا اور انھیں اپنے ساتھ اپنی نشست گاہ پر بٹھاتا تھا۔

نظام الملک کے آئینۂ دل میں امام الحرمین کی دل آویز شخصیت کا حسین عکس اور ان کے علم و کمال کا نقش مرتسم تھا، وہ ان کے ذہن کی تیزی، فکر کی بلندی، نظر کی وسعت اور اصابت رائے کا بیحد معترف تھا، اس بنا پر ذاتی اور ملکی مسائل میں ان سے مشورہ کرتا، بعض اوقات راز کی باتیں بھی ان کے سامنے پیش کرتا، امام الحرمین اور نظام الملک کے گہرے روابط پر اس واقعہ سے بھی روشنی پڑتی ہے جسے دستور الوزراء کے حوالہ سے بعض مورخین نے بیان کیا ہے۔

ایک وقت ایسا بھی آیا جب نظام الملک، ملک شاہ سلجوقی کی بدظنی کی وجہ سے سخت ذہنی خلفشار میں مبتلا ہوا، چونکہ ملک شاہ کا سوء ظن ظاہری سطح پر نہیں تھا، بلکہ اس کے طرز عمل سے اس کا دل بے چین رہتا تھا، یہ بات بھی اہمیت رکھتی ہے کہ پورے ملک میں اس کو صرف

امام الحرمین کی شخصیت ایسی نظر آئی جس سے نہ صرف اس نے رازدارانہ گفتگو کی، بلکہ اس کشمکش میں ان سے رہنمائی بھی چاہی، غور و فکر کے باوجود ملک شاہ کی بدظنی کی توجیہ سے اس کا ذہن قاصر تھا، لیکن امام الحرمین حالات سننے کے بعد معاملہ کی تہ تک پہونچ گئے۔ انھوں نے فرمایا کہ "مال وزر کی محبت فطری چیز ہے، لیکن سلاطین و امراء خصوصیت کے ساتھ حب دنیا کے مرض میں گرفتار رہتے ہیں اور انھیں جب یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کی دولت و اقتدار پر کسی اور کا قبضہ ہو رہا ہے، تو بے چین ہو جاتے ہیں، ملک کے اہم علاقوں میں اپنے حسن انتظام کی وجہ سے جو مقبولیت تم کو حاصل ہوتی جا رہی ہے، وہ اس خدشہ میں اضافہ کی موجب ہے، جو لوگ اپنی اہلیت اور لیاقت سے ایسے انتظامات کرتے ہیں، ان کے بارہ میں سلاطین گوناگوں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ملک شاہ کی بدظنی کو اسی آئینہ میں دیکھنا چاہئے۔

امام الحرمین اور نظام الملک کے باہمی روابط کی ترجمانی کرنے والے مذکورہ بالا واقعات سے یہ اندازہ کر لینا مشکل نہیں ہے کہ ان دونوں کے تعلقات کی نوعیت بڑی حد تک ذاتی ہو چکی تھی، اور یہ تاثر یک طرفہ نہیں تھا، بلکہ خود امام الحرمین بھی نظام الملک سے متاثر تھے، اس تاثر کی بنیاد صرف وزیر موصوف کا امام کے ساتھ فیاضانہ سلوک، ان کی قدر و منزلت اور ان کے شایان شان تعظیم و تکریم ہی نہ تھی، بلکہ اس نے جس طرح ملک سے ظلم و جور کا خاتمہ کیا، اہل حق کو مصائب سے نجات دلائی، باطل پرستوں کا زور توڑا اور علم و دین کی خدمت کی اس وجہ سے اس سے دلی لگاؤ ہو گیا تھا، امام نے اپنے ذاتی اور شخصی تاثرات جو نظام الملک کے بارے میں ظاہر کئے ہیں، ان میں ممکن ہے ہمیں کچھ مبالغہ محسوس ہو اور تعریف و توصیف کے کلمات ضرورت سے زیادہ معلوم ہوں، لیکن یہ امام الحرمین کے دلی تاثرات تھے، اگر کندری کے زمانہ کے مظالم پیش نظر ہوں، پھر نظام الملک نے ان کو دور کر کے انصاف اور حسن سلوک کی جو فضا

قائم کی وہ ہمارے سامنے ہو تو ان کلمات کے اندر مدح سرائی کے بجائے ہمیں اہل حق کی جانب سے اظہار شکر کا احساس ہوگا، چند جملے سنئے:

"خلق خدا کے سردار، دینی و دنیاوی امور میں ان کے مددگار، قوموں کے پشت پناہ، سیف و قلم کے جامع، جس کی مساعی جمیلہ سے حدود مملکت میں وسعت پیدا ہوئی اور نصرت اسلام کا پرچم بلند ہوا، اس کے ذریعہ گمراہی دور ہوئی اور اس کے عدل نے ظلم کی تیرگی کافور کر دی، اس کے ہاتھوں دولت اسلام کو استحکام ملا، رعایا نے امن و چین کا سانس لیا[۱]۔

نظامیہ نیشاپور کی تعمیر اس وقت دنیائے اسلام میں سیاسی اور علمی دونوں حیثیتوں سے دو مرکز تھے، عراق میں بغداد اور خراسان میں نیشاپور، بغداد دار الخلافت تھا اور نیشاپور دار السلطنت، ۴۵۷ھ میں بغداد میں نظامیہ کی بنیاد رکھی گئی اور ۴۵۹ھ میں مدرسہ نیشاپور کا افتتاح ہوا[۲] یوں تو بغداد میں گھر گھر درس کے حلقے قائم تھے مگر اس درسگاہ کے قیام سے وہاں علم کو بڑی مرکزیت حاصل ہوئی، نیشاپور میں بھی ایک صدی سے حلقہ ہائے درس موجود تھے، جن سے امام الحرمین اور ابو القاسم قشیری جیسے یگانہ روزگار پیدا ہوئے، لیکن اس شہر کی اہمیت کا اقتضا تھا کہ نظامیہ بغداد جیسا دار العلوم یہاں بھی قائم ہو، چنانچہ نظام الملک طوسی کی توجہ سے لوگوں کی یہ آرزو پوری ہوئی اور نیشاپور میں ایک عالی شان درسگاہ قائم ہو گئی، اور امام الحرمین اس کے صدر مدرس قرار پائے، دراصل یہ مدرسہ انھیں کے فیضان درس کو عام کرنے کے لئے تعمیر کیا گیا تھا، امام کو جو شہرت و عظمت حاصل تھی، اس کی بنا پر یہ درسگاہ علماء و طلبہ کی توجہ کا مرکز بن گئی ـ مدرسہ کی عمارت بڑی شاندار اور پرشکوہ تھی، اس سے سلجوقی قوت و عظمت اور حسن تعمیر کا اظہار

۱؎ طبقات الشافعیۃ ج ۳: ۱۳۷ ۲؎ مقریزی ج ۴: ۱۹۲ ـ

ہوتا تھا، عمارت کی بلندی اور خوش نمائی کے ساتھ امام الحرمین کا درس اس کی شان دوبالا کرتا تھا اور اطراف واکناف عالم سے طالبانِ علم جوق درجوق اس کا رخ کرنے لگے، ایک صدی سے زیادہ اس چشمۂ علم کا فیض جاری رہا، اور امام کے بعد ان کے نامور تلامذہ نے اس کی عظمت قائم رکھی، ان میں امام غزالی، عبدالواحد قشیری، ابوالقاسم انصاری، مسعود بن احمد خوافی اور ابوالمعالی مسعود بن قطب الدین شیرازی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

افسوس ہے کہ اس وقت نیشاپور کی کوئی مفصل تاریخ موجود نہیں ہے، ورنہ دارالعلوم نظامیہ کے حالات بڑی وضاحت کے ساتھ لکھے جاسکتے تھے اور انھیں پڑھ کر آج بھی اہل علم محظوظ ہی نہیں بلکہ مستفید بھی ہوتے، چوتھی صدی میں امام ابوعبداللہ الحاکم نیشاپوری نے تاریخ نیشاپور لکھی تھی اور پانچویں صدی میں عبدالغافر فارسی نے بھی اس موضوع پر ایک اچھی کتاب تصنیف کی تھی، لیکن دونوں ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکیں، ورنہ ان کے ذریعہ بڑی معلومات حاصل ہوسکتی تھیں، اس وقت ہمارے پاس صرف ان کتابوں کے جستہ جستہ اقتباسات ہیں، انھیں کی مدد سے ہم اس درسگاہ عالی کا تعارف کرانے کی کوشش کریں گے، تاکہ کم ازکم اس کی اجمالی تصویر ذہن میں آسکے، اور ہم قارئین کرام سے کہہ سکیں کہ

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

(باقی)

تخلیقِ آدم کے مراحل

از

جناب ریاض الدین احمد صاحب سابق پرنسپل مجیدیہ کالج الہ آباد

میں نہ مذہبی علوم کا عالم ہوں، نہ سائنس کا ماہر، لیکن مطالعہ اور غور و فکر کی شروع سے عادت رہی ہے، ایک دن سورۂ دہر کی تلاوت کر رہا تھا، مندرجہ ذیل آیتوں کا ترجمہ دیکھا تو کچھ خیالات ذہن میں آئے، احتیاطاً اردو اور انگریزی کے دو دو اور ترجمے دیکھے، اس کے بعد سائنسی تحقیقات کا جائزہ لیا، پھر جو سمجھ میں آیا اسے اہل قلم کے سامنے مزید رہنمائی کی غرض سے پیش کر رہا ہوں (ریاض)

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝

مندرجہ بالا سورۂ دہر کی ابتدائی آیات ہیں، ان کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

بیشک انسان پر ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا، بلکہ نطفہ تھا)

ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا، اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں، تو (اس واسطے) ہم نے اس کو سنتا، دیکھتا (سمجھتا) بنایا۔

پھر یا تو وہ شکر گذار اور مومن ہو گیا یا ناشکرا اور کافر ہو گیا "

مندرجۂ بالا ترجمہ مولانا تھانویؒ کا ہے، مولانا مودودی نے ان آیتوں کا حسب ذیل ترجمہ کیا ہے:

"کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گذرا ہے، جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟!

ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے پیدا کیا، تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لئے ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔

ہم نے اسے راستہ دکھایا، خواہ وہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا "

(تفہیم القرآن)

انگریزی ترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم کا یہ ہے:

Surely there hath Come upon man a Space of time When he was nothing worth.

Verily we: we Created man from a Sperm of mixtures that we might prove him wherefore we made him hearing, Seeing.

Verily we: showed him the way then he becometh either thankful or ingrate

اوپر کی سطور میں اردو اور انگریزی کے تین ترجمے درج کئے گئے ہیں، انھیں غور سے پڑھئے، آپ کے سامنے کچھ نئے پہلو آئیں گے۔

زندگی کے منازل اور مقاصد ان آیات کریمہ سے انسانی زندگی کے منازل اور مقاصد کا پتہ چلتا ہے۔

پہلی منزل اول البشر حضرت آدمؑ کی پیدائش سے لے کر انسان کے رحم مادر میں ورود تک ہے، جب کہ اس کی ہستی ناقابل مذکرہ تھی۔

دوسری منزل قرار نُطفَۃٍ اَمشَاج سے لے کر ممات تک ہے، اس مدت میں انسان سننے والا، دیکھنے والا اور ایک صاحبِ اختیار کردار والا بن کر ابھرتا ہے۔

تیسری منزل جس کا ذکر براہ راست نہیں کیا گیا ہے، حیات بعد الممات تا یوم حساب ہے؛ کیونکہ یہ فیصلہ اُسی وقت ہوگا کہ انسان نے شکر کا راستہ اختیار کیا تھا یا کفر کا۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے صرف زندگی ہی نہیں بخشی، بلکہ دیکھنے والا اور سننے والا بھی بنایا؛ اور راہ راست کی طرف رہنمائی بھی فرمادی اور اسے یہ عقل اور اختیار عنایت فرمایا کہ شکر کا صحیح راستہ اختیار کرے یا کفر کا غلط راستہ، اور قیامت کے دن اطاعت گذار اور شاکر بندہ بن کر اٹھے، یا روگردانی کرنے والا کافر اور ظالم، تو جس نے اطاعت اور شکر کا راستہ اختیار کیا، وہ امتحان میں کامیاب نکلا، اس کے لئے تو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی جنت ہے، اور جس نے انکار اور کفر کا راستہ اختیار کیا وہ ناکام ہوا، اس کے لئے ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی دوزخ اور ہمیشہ ہمیشہ جلنے والی آگ ہے؛

حِینٌ من الدھر مندرجۂ بالا تراجم میں "حِینٌ من الدھر" کو حضرت مولانا تھانویؒ نے زمانہ قلیل مانا ہے جس میں انسان، انسان نہیں تھا بلکہ نطفہ تھا۔

مولانا مودودی نے اس زمانہ کو لامتناہی بتایا ہے، ان کے لحاظ سے یہ ایک ایسا طویل زمانہ ہے جس کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی۔

مولانا دریابادیؒ نے زمانۂ مذکورہ کو Space of time سے تعبیر کیا ہے، الیاس الطون الیاس کی تالیف عربی سے انگریزی لغت میں "حین" کے معنیٰ (وقت) Time یا Period (زمانہ) دئے ہوئے ہیں، اور "دھر" کے معنیٰ age لکھا ہے، ویسٹر کی

مشہور ڈکشنری میں age کے حسب ذیل معنی درج ہیں

Ahistancl N geographical Period (ایک تاریخی یا جغرافیائی زمانہ)

(2) An epoch (ایک قرن)

(3) A long Time (ایک لمبی مدت)

اسی ڈکشنری میں Space کے تراجم حسب ذیل ہیں:

(1) Distance extending without limit on all directions

(ایسا زمانہ جس کے حدود کسی سمت میں متعین نہیں ہو سکتے)

(2) That which is thought of as boundless

(ایسا زمانہ جو لامتناہی ہو)

پہلے ترجمہ کے لحاظ سے "حین من الدھر" وہ زمانہ ہے، جس میں انسان رحم مادر میں پرورش پاتا ہے، یہ مدت زیادہ سے زیادہ نو دس ماہ کی ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب کہ انسان کی ہستی ناقابل ذکر بتائی گئی ہے، یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی بحالت نطفہ انسان ناقابل ذکر رہتا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ رحم مادر میں قیام پذیر ہوتے ہی نطفہ ایک قابل ذکر چیز ہو جاتا ہے، اور انسانی شکل میں ظہور سے پہلے ہی اسے سماجی اور طبی شہرت حاصل ہو جاتی ہے اور سائنسی دنیا اسی وقت سے اس میں شدید دلچسپی کا اظہار کرنے لگتی ہے، اس حقیقت کے پیش نظر "لم یکن شیئاً مذکورا" کا اطلاق یہاں نہیں ہوتا۔

بقیہ دو ترجموں کے لحاظ سے جب کہ "حین من الدھر" کو زمانہ طویل مانا گیا ہے "لم یکن شیئاً مذکورا" اس کے مطابق زمانۂ طویل کی حالت ہے۔

اس لیے رحم مادر میں قیام نطفہ کی مدت سے اس کا جوڑ نہیں ملتا، کیونکہ یہ مسئلہ مدت قلیل کا ہے، طویل مدت کی کوئی تشریح قرآن پاک سے نہیں ملتی، مولانا عبد الماجد نے اپنے انگریزی کے ترجمے میں "دھر" کے معنی Time from the beginning of the world to its end بتایا ہے یعنی ابتدائے آفرینش سے قیامت تک کا زمانہ۔

لغات القرآن میں مولانا عبد الرشید نعمانی نے بھی "دھر" کے معنی "عالم کے وجود میں آنے سے لے کر اس کے ختم تک کی مدت تک" کو مانا ہے۔

نسل آدم

بہرحال قرآن پاک کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آج جو بھی انسانی نسلیں دنیا میں چل رہی ہیں، یا جو آیندہ وجود میں آنے والی ہیں، سب کی سب حضرت آدمؑ سے وابستہ ہیں، سورۂ اعراف میں فرمایا گیا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ ۝

اے نبی لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا۔

اور یہ بھی واضح کر دیا کہ ایک ہی جان سے تمام عورتیں اور مرد وجود میں آئے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً (نساء: ۱)

لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑ ا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دنیا میں پھیلائے۔

"ایک ہی جان" کے بارے میں بعض محققین نے حضرت آدمؑ سے مراد لیا ہے اور بعض نے

تسمِ آدم سے ، ہمارے خیال میں قسمِ آدم کی ابتدا بھی حضرت آدمؑ ہی سے ہے

پہلی منزل نشأۃ اولیٰ | جب انسان چاہے وہ کسی زمانہ میں پیدا ہوا ہو یا پیدا ہونے والا ہو ، حضرت اول البشر سے نسبی تعلق ضروری اور یقینی ہے ، تو یہ تعلق صرف مادی نہیں ہے ، بلکہ روحانی بھی ہے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ سوال پوری نسلِ انسانی سے ہے کہ

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ط (اعراف)	کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں

اور جواب بھی انفرادی نہیں ، بلکہ اجتماعی ہے :

قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا ۔ (اعراف)	انھوں نے جواب دیا ، ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں ۔

اس بیانِ قرآنی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کی پہلی پیدائش یہی ہے ، یہ نہیں معلوم کہ اس پیدائش کے وقت وہ کس شکل و صورت میں رکھا گیا تھا ، مگر یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ اس میں صفاتِ انسانی ضرور موجود تھے :

(۱) اس میں سننے کی صلاحیت تھی ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوال کو ان کا سننا ثابت ہے ۔

(۲) اس میں بولنے کی صلاحیت تھی ، کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سوال کا جواب دیا ۔

(۳) اس میں سمجھنے کی صلاحیت تھی ، کیونکہ اللہ نے خود ان کو اپنے اوپر گواہ بنایا : وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ ج تاکہ وہ جواب سمجھ بوجھ کر دے ۔

سائنس کی روشنی میں | آیئے ! اس علمِ قرآنی کا سائنس کی روشنی میں جائزہ لیں ، مگر یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن ہمارے بیچ میں سیکڑوں برس سے ہے اور اس کے اشارات کو سمجھنے کے لئے ہم نے سائنس کی ضرورت کبھی نہیں محسوس کی ، پھر آج یہ راستہ کیوں اپنایا جا رہا ہے ؟ اصل بات یہ ہے کہ سائنس نے علوم کے جتنے دروازے کھولے ہیں ، وہ اس سے پیشتر کبھی کھلے نہ تھے

گو سائنس بغیر قرآن کے محرومی اور جہالت ہے ، اس لئے ضروری ہے کہ سائنٹسٹ کو قرآن کے قریب لایا جائے اور ان نشانیوں سے روشناس کرایا جائے جو اس صحیفۂ الہامی میں موجود ہیں تاکہ تشنۂ علمی اسے بے چین نہ کر دے ۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ پچھلا زمانہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کا زمانہ تھا اس لئے یقین لوگوں کے رگ و پے میں سمایا تھا ، دلیل کی ضرورت نہیں تھی حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے :

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ۔	بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے ، پھر جو اس سے ملا ہوا ہے ، پھر جو اس سے ملا ہوا ہے ۔

آپؐ یقین کا سرچشمہ تھے ، آپؐ کی ذاتِ گرامی دلیل بھی تھی اور مشاہدہ بھی ، مگر یہ زمانہ دلیل کا ہے سائنس کے ذریعہ دلیل پیش فرما دی گئی ، تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے ۔ اور صریح نشانیاں ان لوگوں کے سامنے آجائیں جو صاحبِ یقین نہیں ہیں ، تاکہ یہی عذابِ الٰہی کے لئے جواز بن جائیں ۔

۲. نشانیوں کے باوجود | ویسے تو کھلی ہوئی نشانیوں کے باوجود وہ دل ایمان کی طرف راغب نہیں ہوتے

وَاِذَا رَاَوْا اٰیَۃً یَّسْتَسْخِرُوْنَ (صافات)	جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں ۔

الگزنڈر گگارن جب دنیا کے سامنے سب سے پہلے خلائی سفر سے واپس آیا تو نادان ڈھٹائی سے بول اٹھا ، " میں آسمان کا سفر کر آیا مگر خدا کو کہیں نہیں دیکھا " ظالم یہ نہ دیکھ سکا کہ ایسا خطرناک سفر اللہ کی نگرانی کے بغیر ناممکن تھا ، پس یہی ہوا کہ اللہ نے اپنی حفاظت کا ہاتھ اٹھا لیا اور وہی جو ماہرِ فن ہونے کے غرور میں تھا ، ایک نہایت گھٹیا ہوائی حادثہ میں اپنی جان کھو بیٹھا ۔

۴۔ جینس کیا ہیں؟ تو وارث آدم اور انسان کی پہلی زندگی کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، اس کی تائید جینس کی حالیہ دریافتوں سے بھی ہو رہی ہے، جینس کی سائنس (Genetic Sciencl) نے ایسے وسیع حدود اختیار کر لئے ہیں کہ اس کے اثرات اور عوامل کو سمجھنا اور عام فہم زبان میں بیان کر دینا امر محال کی حیثیت رکھتا ہے، پھر بھی ہلکے پھلکے تصورات پیش کر دینا زیر غور سائنسی فہم کیلئے خالی از دلچسپی نہ ہوگا، اس لئے اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ جینس (Genes) کیا ہیں؟

سائنس کی دنیا میں جینس "انقلاب انگیز حیثیت رکھتے ہیں، اور خلیوں کے اجزائے ترکیبی میں اہم ترین مقام کے مالک ہیں، خلیوں سے جینس تک سائنسی دریافت کا ایک طویل سلسلہ ہے جو سترہویں صدی عیسوی میں رابرٹ ہکس (Robert Hooks) سے شروع ہو کر ڈاکٹر کھرانا، ڈاکٹر ٹرین برگ اور ڈاکٹر ہولے تک پہونچا ہے، جنھوں نے ۱۹۶۸ء میں جینس کے طرز عمل کو دریافت کرنے کے سلسلہ میں مشترکہ طور پر نوبل انعام حاصل کیا، ۱۹۷۶ء میں ڈاکٹر کھرانا اور ان کی ٹیم نے جینس میں ننانوے 99 نیوکلوٹائڈ اکائیاں تلاش کیں، ہمارا یہ جسم خلیوں سے بنا ہوا ہے، خلیے ٹوٹ ٹوٹ کر اتنی مقدار میں اضافہ کرتے رہتے ہیں، ہر خلیے میں ۴۶ کروموزوم (Chromozom) ہوتے ہیں، کروموزوم باریک ترین دھاگے کی طرح کا ایک کیمیاوی مادہ ہے، یہ اتنا باریک ہوتا ہے کہ صرف بڑے کروموزوم خوردبین سے دیکھے جا سکتے ہیں، ہر کروموزوم پر باریک ترین نقطوں کی شکل کے جینس لاکھوں کی تعداد میں لپٹے رہتے ہیں، ہر "جین" میں نیوکلوٹائڈ اکائیوں پر مشتمل زنجیرا (Chain) ہوتا ہے، زنجیرے پر نیوکلوٹائڈ اکائیوں کی تعداد جین کی قامت کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی ہیں، اس وقت تک جین سے ننانوے 99 اکائیاں تک دریافت کی جا چکی ہیں، اور ایک کروموزوم میں نیوکلوٹائڈ اکائیوں کی تعداد کم و بیش بیس ۲۰ کروڑ ہوتی ہے، یہ اکائیاں زندگی کے مختلف عوامل اور مراحل کو محیر العقول صحت مندی کے ساتھ انجام دیتی ہیں،

اگر ان اکائیوں کی ترتیب میں ایک کا بھی فرق ہو جائے تو انسانی ساخت اور کردار میں عظیم انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

کچھ جینس آباواجداد کے خاندانی خصائل و کردار، رنگ روپ، قد و قامت اور جسمانی ورثوں کی نمائندگی کرتے ہیں، کچھ انسان کی اپنی نشوونما کے مختلف عوامل کو کنٹرول کرتے ہیں شلاً بال، ناخون کا بڑھنا، کھال کا تبدیل ہونا، خون کی روانی اور ہاضمے کے عرقیات کی تیاری انھیں کا حصہ ہے، ان صلاحیتوں کے باوجود قدرت کا عجیب کرشمہ یہ ہے کہ یہ حد درجہ ڈسپلن کے ماتحت کام کرتے ہیں، مثلاً وہی جینس "جو سر پہ بال اگانے کی خدمت انجام دیتے ہیں، ہاتھ کی ہتھیلی اور پیر کے تلووں پر ایک بال نہیں اگا سکتے۔

۴۔ یہ کردار "جینس" کا یہ کردار کسی انسان کی کارگیری کا مرہون منت نہیں ہے، خلیوں کی دنیا پر سائنس کی فتح کا جھنڈا آج بھی نہیں لگ پایا ہے، اور خلیوں کے اندر کروموزوم اور جینس کی پیچیدہ ترین مشین کا خودکار طریقوں پر حیرت انگیز صحت مندی کے ساتھ مدت العمر چلتے رہنا سوائے خالق کردگار کے اور کسی کا کارنامہ نہیں ہو سکتا، پھر ایک ایسے خاندانی ورثے کا جس کی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہوتی ہے، کمال احتیاط کے ساتھ پشت در پشت منتقل ہوتے رہنا کوئی اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ ایک مضبوط ترین خدائی منصوبہ ہے، وراثت کا خدائی ریکارڈ جینس (Genes) کے باریک ترین نقطوں کی شکل میں آج سائنس کی آنکھوں سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، تو کیا یہ قرآن کے اس دعوے کی کھلی ہوئی تائید نہیں ہے کہ

کُلُّ شَیْئٍ فَعَلُوْہُ فِی الزُّبُرِ ہ وَکُلُّ صَغِیْرٍ وَّکَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝ (القمر)

اور جو کچھ انھوں نے کیا، ان کے اعمال نامے میں درج ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے

انسانی اعمال کا نقطوں کی شکل میں محفوظ ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے بھی

ثابت ہے، عجب کیا ہے کہ جینس پر لپٹے ہوئے ان نقطوں کے رموز جب قیامت کے دن کھولے جائیں تو انسان کا پورا اعمال نامہ ثابت ہوں؟ بہتر جاننے والا اللہ ہی ہے۔

کروموزوم اور جینس کی کارگذاریوں میں اللہ تعالیٰ کی تخلیقی صناعیوں کا عجیب و غریب مظاہرہ ہوتا ہے، بیالوجیکل ٹائم بامب (Bialogical Time Bomb) کے مصنف جارج ریٹرے ٹائلر (George Rattray Taylor) کا خیال ہے کہ کروموزوس کے اندر معلومات کا جو خزانہ چھپا ہوا ہے ابھی اس کا عشر عشیر بھی ہم حاصل نہیں کر سکے ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ راز کل کا کل افشا ہو جائے تو دنیا کو ایک زبردست چیلنج کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور پوری دنیا میں ایک تہلکہ مچ جائے گا۔

۵. نتیجہ: جینس کی دریافت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے جینس ہی بنیاد ہیں اولاد آدمؑ کے دنیا میں وجود اور ان کے کردار و خصائل کے۔

(۲) انسان کی موجودہ شکل و صورت اور جسمانی ساخت اس کو حضرت آدمؑ سے ہی ورثہ میں ملی ہے۔

(۳) لاتعداد نقطوں کی شکل میں "کروموزوس" پر لپٹے ہوئے "جینس" انسانی زندگی کی تاریخی حیثیت کی نگرانی بھی کرتے ہیں اور ان کے جسمانی نشو و نما پر بھی کنٹرول رکھتے ہیں۔

(۴) اس لحاظ سے "جینس" کی حیثیت ایک مضبوط رکارڈ کیپر کی بھی ہے، جو انسان کے ہر فعل کو خودکارانہ طریقے پر ضبط کرتا رہتا ہے۔

(۵) اگرچہ جینس کی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہے، مگر دنیا میں پیدا ہونے والے انسانوں میں ان کی منتقلی کے اوقات الگ الگ ہیں، اور وہ اس وقت تک غیر فعال رہتے ہیں جب تک کہ انسان حیات دنیا میں نمودار نہیں ہوتا۔

(۶) اس لحاظ سے ایک لامتناہی مدت (حینٌ من الدّھر) تک ناقابل تذکرہ (لم یکن شیئًا مذکورًا) ہونا بھی واضح ہو جاتا ہے۔

۶. یہاں ایک سائنسی خلا: ادل البشر میں یہ جینس کہاں سے آئے؟ اس کے متعلق سائنس خاموش نظر آتی ہے، مگر قرآن پاک نے خمیر انسانی کی تیاری پر پوری روشنی ڈالی ہے، اسی خمیر سے جینس اور کروموزوس کا پیدا ہونا اغلب بلکہ یقینی ہے، مولانا مودودی نے اس ترتیب کو یوں قائم کیا ہے:

۱. تراب (مٹی یا خاک): حضرت آدمؑ کے خمیر میں پہلی چیز مٹی تھی:

كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران) — مثال آدم کی سی ہے کہ اسے مٹی سے پیدا کیا۔

۲. طین (گارا یانی دمٹی): پھر مٹی میں پانی ملا کر گارے کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔

بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ (السجدہ) — اس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی۔

۳. طِینٍ لَّازِبٍ (لیس دار گارا): پھر گارے کو سڑا کر لیس دار بنا دیا گیا:

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ (الصّٰفّٰت) — ان کو ہم نے لیس دار گارے سے پیدا کیا۔

۴. حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (بدبو دار گارا): پھر سڑے ہوئے گارے میں تبدیل کر دیا:

حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (الحجر) — وہ گارا جس کے اندر بو پیدا ہو جائے

۵. کَالْفَخَّارِ (ٹھیکرے جیسی): پھر سڑے ہوئے گارے کو سکھا کر ٹھیکری کی طرح کر دیا:

صَلْصَالٍ ..... كَالْفَخَّارِ (الرحمٰن) — وہ سڑا ہوا گارا، وہ پکی ہوئی مٹی کے ٹھیکرے جیسا ہو جائے۔

یہ مسلسل ترتیب شاہد ہے کہ قبل پیدائش آدم مٹی سے ایک کیمیاوی مادہ تیار کیا گیا، اسی کیمیاوی مادہ سے اولین جینس کی پیدائش کا امکان معلوم ہوتا ہے۔

دوسری منزل "حیات دنیا"

"حیات دنیا" جسے ہم نے زندگی کی دوسری منزل قرار دیا ہے، دراصل نشاۃ اولیٰ کا ہی تسلسل ہے، کیونکہ قرآن پاک میں نشاۃ اولیٰ اور نشاۃ اخریٰ کے درمیان میں کسی دوسری زندگی کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، ایک طویل مدت تک ناقابل تذکرہ رہنے کے بعد جو زندگی شروع ہو رہی ہے، اس کو یہاں دوسری منزل اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے ابتدائی ہی دور سے انسانی زندگی ایک قابل تذکرہ شکل اختیار کر لیتی ہے۔

مخلوط نطفہ

اس منزل میں زندگی نُطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ سے شروع ہوتی ہے، مفسرین کرام نے اس کا ترجمہ "مخلوط نطفہ" کیا ہے، اور انگریزی میں (Spermofmixtures) یعنی اسپرم خلیوں کا مرکب کہا گیا ہے۔ سائنس کی روشنی میں اس مرکب کی تفصیل یوں ہے:

انسانی نطفہ میں کروڑوں کی تعداد میں اسپرم (Sperm) نامی خلیات ہوتے ہیں ہر خلیے کے اندر تیئیس[۲۳] کروموزوم اور ہر کروموزوم پر لاتعداد جینس ہوتے ہیں، جینس کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں:

(۱) نیوکلیوسائڈ (Nucleosides) جو چار مختلف اقسام پر مشتمل ہے۔

(۲) ڈی آکسی رائبوس (Deoxyribose) جو ایک قسم کی شکر ہے۔

(۳) فاسفورس (Phosphorus)

یہ مرکب حیات انسانی کی کس طرح تشکیل کرتا ہے، وہ بذات خود ایک داستان عجیب ہے، جس کی تفصیل بہت پیچیدہ ہے، اس وقت اس کی صرف ایک جھلک پیش کر دینا کافی ہوگا۔

رحم مادر میں

رحم مادر میں انسانی تخلیق اس وقت شروع ہوتی ہے، جب مرد کے اسپرم خلیے عورت کے

جرثومہ خلیوں (Female germ cell) سے ملتے ہیں اور مرد کے تیئیس[۲۳] کروموزوم کا عورت کے تیئیس[۲۳] کروموزوم سے اتصال ہوتا ہے، پھر تیق مادے کی ایک تحلیلی کروموزومس اور جینس سے بھری ہوئی تیار ہو جاتی ہے، یہی خلیہ رحم مادر میں انسان کی خشت اول ہے، پھر یہ ٹوٹ کر نئے خلیے پیدا کرتا ہے اور نئے خلیے ٹوٹ ٹوٹ کر لاکھوں مزید خلیے تیار کرتے رہتے ہیں پھر ایک ہیولیٰ بلا اعضاء کا بن جاتا ہے، پھر ایک نامعلوم طاقت اپنی کارفرمائی کرتی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی حاکم اعلیٰ خلیوں کو حکم دے رہا ہے "تم سر بن جاؤ، تم آنکھ بن جاؤ، تم دماغ بن جاؤ، تم دل بن جاؤ، تم ہاتھ بن جاؤ، تم پیر بن جاؤ" وغیرہ، اور خلیے حکم کی بجا آوری میں سر مو کوتاہی سے کام نہیں لیتے۔ پھر کس مرحلے پر اس میں زندگی کی شمع روشن ہو جاتی ہے، یہ کسی کو نہیں معلوم، تیئیس[۲۳] سو برس سے محققین اس راز کو معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر کامیابی کی صورت نظر نہیں آتی۔

تخلیق آدم کے قرآنی مراحل

ہاں تخلیق آدم کے جو مراحل قرآن پاک نے پیش کئے ہیں، وہ آئندہ ماہرین سائنس کے لئے ضرور ایک شاہراہ تحقیق کھول سکتے ہیں، مراحل یہ ہیں:

(۱) پہلے مٹی سے پیدا کیا: خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ۔

(۲) پھر نطفے سے: ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ۔

(۳) پھر خون کے لوتھڑے سے: ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ۔

(۴) پھر گوشت کی بوٹی بنائی: ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ۔

(۵) پھر ان کو شکل والی اور بے شکل والی بوٹیوں میں تبدیل کیا: مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ

(۶) پھر جسے وقت مقررہ تک چاہا رحم مادر میں ٹھہرائے رکھا: وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى۔

(۷) پھر ایک بچے کی صورت میں بنا کر نکال دیا : ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ۔

نیویارک کی ایک محققہ خاتون ڈاکٹر کرسٹن سین Dr. Christen Can نے اس مرحلۂ زندگی پر اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے اخباری نمائندوں سے کہا :

"زندگی بڑے رومانی انداز سے شروع ہوتی ہے، مگر کسی کو نہیں معلوم کہ بچے میں روح کس وقت پھونک دی جاتی ہے۔ اگر آپ صاحب یقین ہیں تو آپ کو معلوم ہے کہ بچے میں جان پڑنا خدا ہی کی مشیت کا کارنامہ ہے۔"

یہ ہے زندگی کی اس منزل کی ابتدا جس کا دائرۂ عمل حیات دنیا ہے، اور جس کا وقت رحم مادر میں قیام نطفہ سے ممات تک ہے۔ انسانی زندگی کا یہ دور قابل تذکرہ ہے، کیونکہ عمل کا میدان یہی دنیا ہے اور یہاں کے دوران قیام میں ہی شکر یا کفر کی محنت کرتا ہے، یہی امتحان کا دور ہے، اس کے بعد نہ عمل ہے نہ محنت، نہ امتحان۔

تیسری منزل النشأۃ الاخریٰ

یہ وہ منزل ہے جس کے حدود میں سائنس کا داخل ہونا ناممکن ہے، یہ بعد الممات کی زندگی ہے، جس میں انسان سڑی گلی ہڈیوں کے باوجود ایک بار پھر زندہ کر دیا جائے گا اور یہ کام سوائے خدا کے دوسرا کوئی نہیں کر سکے گا۔

وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۔ (النجم) — اور یہ کہ دوسری زندگی بخشنا بھی اسی کے ذمہ ہے۔

اور اللہ جس نے پہلی بار زندگی بخشی تھی، دوسری بار بھی زندگی بخشنے پر قادر ہے :

ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ — پھر اللہ بار دگر بھی زندگی بخشے گا، یقیناً

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ — اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(عنکبوت)

موت کے بعد قیامت تک انسان پر پھر ایک ایسا وقت گذرے گا جس کی کیفیات کا کوئی صحیح اندازہ اس دنیا میں نہیں کیا جا سکتا، مگر بالآخر ایک یوم حساب برپا ہوگا اور حیات دنیا کا پورا پورا جائزہ لیا جائے گا کہ آیا اس نے اللہ کی ودیعت کی ہوئی سننے کی طاقت کا صحیح استعمال کیا یا نہیں، اور دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت کا ٹھیک ٹھیک فائدہ اٹھانے میں کامیاب رہا یا نہیں، اگر ان حیثیتوں صلاحیتوں کے استعمال کے بعد اس نے اطاعت اور شکر گذاری کا راستہ اختیار کیا تو اس آخری زندگی میں اس کیلئے کامیابی اور کامرانی ہے اور اگر انکار اور کفر کا راستہ اختیار کیا تھا تو یہ زندگی بگڑ گئی، اور اب اس کو کوئی طاقت سنبھالنے والی نہیں ہے، کیونکہ طاقت والا ہاتھ اس سے اٹھا لیا جائے گا۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس خدا میں یہ طاقت تھی کہ انسان کو ایک لامتناہی مدت تک ناقابل ذکر حالت میں رکھا اور پھر یکایک اسے عقل و ہوش اور گوشت و پوست والا انسان بنا کر اٹھا دے، اس کے لئے یہ کیا مشکل بات ہے کہ اسے پھر ایک طویل مدت تک ناقابل ذکر حالت میں رکھنے کے بعد زندہ کر دے، دراصل قرآن کا طرز استدلال یہ ہے کہ انسان کو معلوم سے نامعلوم کی طرف لے جاتا ہے، سائنس کے تمام مشاہدات اور دلائل کا مقصد یہی ہے کہ انسان قدرت کی کاریگری پر ایمان لائے، اس یقین کو جاگزین کرنے کے بعد اللہ کے بتائے ہوئے آخرت والے حالات، جزا اور سزا، جنت اور دوزخ پر یقین کر لینا عین مطابق عقل ہوگا۔

حوالہ جات

(۱) بیان القرآن — مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۲) تفہیم القرآن — مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ

(۳) تفسیر ماجدی — انگریزی ترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

(۴) قرآن مجید — مولانا فتح محمد خاں جالندھریؒ

(۵) فیوض القرآن ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی

(۶) لغات القرآن (جلد سوم) مولانا عبد الرشید نعمانی

1. Genes in Action. An Upjohn publication Kalamazoo, Michigan
2. The Track of Life (From Gods From outer Space)
3. Are Scientists Creating dangerous New Bacteria - John Frod (Reader Digest March 1976
4. The Gene World - Ratan Karaka (Illustrated weekly of India. Dec. 12. 1976
5. A Monograph on Cytology (The Scope publication) Upjohn Coy - Kalamazoo Michigan
6. Dr. Khorana makes a Gene that Works by T. M. Jacol (Science to-day Oct. 1976
7. Living Things (Science in Daily Life by Francis D. Curtis and George Greisch Mallinson
8. The Holy Quran (Translation) Maulana Abdul Majid Daryabadi

دیوان قبلان بیگ کا ایک اہم مخطوطہ

از

پروفیسر سید امیر حسن عابدی، دہلی یونیورسٹی

قبلان بیگ کا ذکر فارسی شعراء کے تذکروں میں نہیں ملتا، طاہر نصرآبادی نے اپنے تذکرہ میں قبلان بیگ کا ذکر کیا ہے جو چاوشلو قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور جو غالباً مرزا سعید وزیر کاشان کے والد مرزا عبد اللہ کے خالو تھے، ایران میں وہ شاہی قورچیوں میں سے تھے، اس تذکرہ نویس نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ہندوستان آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا، صاحب شمع انجمن نے بھی قبلان بیگ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ صفوی قورچیوں میں سے تھے، نیز جامی کے معاصر تھے، مگر یہ دونوں چیزیں بظاہر متضاد معلوم ہوتی ہیں: اس لئے کہ جامی نے ۸۹۸ھ مطابق ۹۳-۱۴۹۲ء میں انتقال کیا، جبکہ صفوی خاندان ۹۰۷ھ مطابق ۱۵۰۲ء سے برسر اقتدار ہوا، بہر حال یہ قبلان بیگ سے مختلف ہیں۔

البتہ ملا عبد الباقی نہاوندی نے مآثر رحیمی میں ان کے حالات نسبتاً تفصیل سے دئے ہیں، نیز صاحب ریاض الشعراء نے ان کا ذکر کیا ہے، فہرست مخطوطات مدراس اور فہرست مخطوطات ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں بھی ان کے کچھ حالات درج ہیں، جو شاید مآثر رحیمی وغیرہ پر مبنی ہیں، ان سے استفادہ کرکے یہاں ان کے متعلق لکھا جا رہا ہے۔

بختیاریوں میں تو شجی قبیلہ حسن طبیعت نزاکت سلیقہ اور سمجھ بوجھ کے لئے مشہور ہے، ماوراء النہر کے اس قبیلہ کے

---

[1] مآثر رحیمی، جلد سوم (ص ۱۰۰۹)، بپٹسٹ مشن، کلکتہ ۱۹۳۰ء۔

شیر بیگ، شہنشاہ اکبر[1] کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور ان کے قورچیوں میں داخل ہوئے، ان کے صاحبزادے قیلان بیگ یہیں پیدا ہوئے اور اپنے والد کی طرح مرزا عبدالرحیم خانخاناں[2] کی فوج میں رہے، جہانگیر[3] بھی ان کی عزت کرتا تھا، ۱۰۳۰ھ مطابق ۱۶۲۱ء میں وہ ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔

انھوں نے اپنی مثنوی "ماہ و دستان" میں اپنا حسب نسب بتلایا ہے، اسی سے مآثر رحیمی میں یہ ابیات نقل کیے گئے ہیں:

بہر مجلس کہ باشم ارجمندم — کہ بستانِ سخن را نخل بندم
نسب پرسی ز ترکانم ز ترکان — حسب جوئی سخن دانم سخنداں
در آئین الوس عالی نشانم — چراغ دودمان قوشجیانم
سلے آباے من بر من بنازد — چو تخم از رونق گلشن بنازد

ان کی شاعری کے متعلق مؤلفِ مآثر رحیمی نے اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے:

"قیلان بیگ ..... امروز از جملہ تازہ گویان و خوش طبعانِ ایں زمان است،

..... روز بروز در میانۂ موزونان بابداع معانی و سخنوری والا نژاد است، و بلطف طبیعت و حسن قیافت درمیان فرق انام ممتاز است و در سخن سنجی و نکتہ گذاری بے مثل و مانند است...... ابیات و غزل رابغایت نیکو می گوید[4]"

فن سپہگری میں بھی وہ ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے، دکن میں وہ سپہ سالار عبدالرحیم خانخاناں کی فوج میں منصبدار تھے اور خانخاناں ان پر کافی مہربان تھے، ان کو کوئی جاگیر بھی ملی تھی،

[1] ۹۶۳ھ — ۱۰۱۴ھ — ۱۵۵۶ء — ۱۶۰۵ء [2] ۹۶۴ھ — ۱۰۳۶ھ — ۱۵۵۶ء — ۱۶۲۶ء

[3] ۱۰۱۴ھ — ۱۰۳۶ھ — ۱۶۰۵ء — ۱۶۲۶ء [4] مآثر رحیمی جلد سوم، ص ۱۰۸۹ - ۱۰۹۱۔

قیلان بیگ نے خانخاناں کی مدح میں بہت سے اشعار لکھے تھے اور اس کا مسودہ خود مؤلف مآثر رحیمی کو بھیجا تھا، جس کو انھوں نے نقل کیا ہے، ان کا ایک قصیدہ جو اس کتاب میں موجود ہے، اس طرح شروع ہوتا ہے:

بازہنگام قدح پرکردن است — جشن فروردیں و گشتِ گلشن است

آگے چل کر خانخاناں کی مدح میں لکھتے ہیں:

خانخاناں ابن بیرم خاں کہ او — عقل را بحر و ہنر را معدن است

دیوان قیلان بیگ کا ایک قلمی نسخہ[1] جو خوبصورت نستعلیق میں لکھا ہوا ہے مگر شروع میں ناقص ہے، گورنمنٹ کے کتب خانہ مخطوطات (مدراس) میں موجود ہے، یہ نسخہ شاعر کی زندگی میں، بلکہ شاید خود ان کے اہتمام سے آگرہ میں لکھا گیا تھا۔ اس کے کاتب زاہد ابن شیخ ابراہیم ہیں، جنھوں نے ۹ ربیع الثانی کو اس کی کتابت تمام کی تھی۔ اس نسخہ کے آخر میں یہ عبارت ہے:

"شرف اتمام و کمال یافت دیوان خورشید نشان، عطارد بیان، افصح زمان، نضائل انتساب... میرزا قیلان بیگ زاد اللہ عمرہٗ و دولتہ'... بتاریخ نہم ربیع الثانی در دارالخلافہ شہر آگرہ...."

یعنی مرزا قیلان بیگ جیسے مجمع الصفات شخص کے اس دیوان کی کتابت ۹ ربیع الثانی کو دارالسلطنت آگرہ میں مکمل ہوئی۔

یہ نسخہ اتنا خراب ہے کہ ٹھیک سے پڑھا نہیں جاتا، یہ ناقص نسخہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

شیر یزداں و لافتیٰ مدحش — و مدحش اژدہائے شیر شکار

اس میں حسب ذیل قصیدے جہانگیر بادشاہ کی مدح میں ہیں:

[1] Ms No 41, Govt Oriental Mss. Library, Madras.

۱۔ باز بلبل در چمن دستاں زن است .

۲۔ شاہ خورشید مکاں شاہ جہانگیر جواد .

۳۔ باز وقت آمد کہ ہر سو گازراں ؟ سیم کار .

۴۔ خوش ابر بہشتی لالہ گستر .

۵۔ شبانہ شکوہ اے از بخت داشتم صدیک .

۶۔ بجز نگاہ من آں دلفریب چابک سنگ .

اس کے علاوہ حسب ذیل قصیدہ میں شاہزادہ پرویز (م ۱۰۳۶ھ — ۱۶۲۶ء) کی مدح سرائی کی گئی ہے :

سحر شگفتہ نگارے رسید از رہ دور

اسی طرح یہ قصیدہ "سالار نامدار" کی مدح میں ہے، جس سے مراد غالباً عبدالرحیم خانخاناں ہیں :

نو بہار است و چمن سبز و ہوا نیسانی

مخلص خاص ندارد بوفا پیمانی

ایک قصیدہ آگرہ کی تعریف میں بھی ہے، جو اس طرح شروع ہوتا ہے :

لوحش اللہ آگرہ سرسبز چوں باغِ ارم

قبلان بیگ نے اپنی شاعری پر فخر کیا ہے :

قبلان دلت از فیض الٰہی شدہ فیاض — طبع تو بود چشمۂ دریائے فصاحت

نیز اپنے آپ کو حافظ شیرازی (م ۷۹۱ھ — ۱۳۸۹ء) کا پیرو بتلایا ہے :

دمیست ما بچنیست پُر شود شیراز — کہ ہست حامی دیوان شعر ما حافظ

منم در آگرہ با یارم خود یگانہ دہر — چنانچہ بود بشیراز دلکش حافظ

قبلان بیگ کا کلام عام طور سے متوسط درجہ کا ہوتا ہے، ان کی غزل کے کچھ منتخب اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں، جن سے ان کے طرز اور درجہ کا اندازہ ہو سکے گا :

نیست کس آگہ ز اسرار خدا دانی چرا — مسجد و بت خانہ را از ہم جدا دانی چرا

غم و شادی ز تقدیر خدائیست — زگردوں شکوہ کافر ماجرائیست

چہ ترسا و مسلمان و چہ کافر — بکویش ہر کسے را خانہ ای ہست

دوا کنید بدردم کہ دردمن باقیست — رفو زنید کہ ایں چاک پیرہن باقیست

بہ بہانے جہاں در خوئے او بدخو نہاں کردند — شکست روزگار ما دراں گیسو نہاں کردند

گاہ ماتم پیشہ و گاہے ز اہل سور باش — ہر چہ از گیتی نصیبت می شود مسرور باش

اس دیوان میں بہت سے قطعے بھی ہیں، جن میں اونٹ، صراحی، شراب، تیغ، بادۂ انگوری کمان و تیر، امیر مظفر، رباب، انگور، زرہ، مروارید، شلوار، چھتری، گھوڑے، زین وغیرہ کا ذکر ہے، اس قطعہ میں ایک گاؤں کے ملنے اور لوگوں کی اس سلسلہ میں ہیرا پھیری کی شکایت کرتے ہیں :

بار اول دہی برا تم شد — کہ ز دیدار یش گریزد مور

آنہم ارباب دفتر و توفیر — بستانند ہمچو خرقۂ طور

بار دیگر کہ منصبم افزود — تن و تنخواہ آں نشد معلوم

ایک قطعہ میں لٹو کا ذکر کرتے ہیں :

چیست آں لعبتے کہ چرخ زند — اگرش بر زمیں زدی صد بار

رقص آید آں بے شرم ؟ — ہمچو دزداں نشستہ بر سر دار

اس نسخہ میں بہت سی رباعیاں بھی ہیں، جن میں توحید، نعت، منقبتِ اصحاب، سپر، زرہ، بیاض، شعر وغیرہ جیسے مضامین لائے گئے ہیں، ان میں سے بعض رباعیاں یہاں نقل کی جا رہی ہیں،

باعشق تو مسجد و خرابات یکیست
باشوقِ تو طامات و کرامات یکیست

گر مومن و گہ یہود و گہ ترسایم
اینہا عرض اند جوہر ذات یکیست

قیلان اشرت ز کفر و اسلام مباد
در کار تو سامان و سر انجام مباد

طوفان زدہ باد کشتیٔ امید ت
یک دم ز ہجوم موجش آرام مباد

جز زلف تو ہندوے کج اندیشہ کہ دید
جز قامت تو نہال بے ریشہ کہ دید

حیرت زدۂ بو العجبہاے تو ام
جز چشم تو بیمار ستم پیشہ کہ دید

حسب ذیل رباعی میں کابل سے لے کر بنگال تک بادشاہ وقت کے عدل و انصاف کی تعریف کی گئی ہے :

نے کابل تنہا ز تو پر داد شدہ
تا صوبۂ بنگال جہاں شاد شدہ

از عدل تو آشتی در اضداد شدہ
در کشور صبح شام آباد شدہ

اس نسخہ کے آخر میں ایک مثنوی ساقی نامہ[1] ہے، جو اس بیت سے شروع ہوتی ہے :

الا اے دل بیدلی سر بجیب
چہ داری بدست از فتوحات غیب

اس میں جہانگیر کی مدح کی گئی ہے، اس سلسلہ کی ایک بیت یہ ہے :

جہاں پادشاہی جہانگیر نام
کہ قہرش چو تیغ ست و لطفش چو جام

یہ ایک اخلاقی مثنوی ہے، جس میں قناعت، قدح اہل ریا، شرف عزلت وغیرہ جیسے مضامین بیان کئے گئے ہیں :

اس دیوان کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ میں بھی موجود ہے، اس نسخہ میں ایک قطعہ تاریخ ہے جس سے ۱۰۴۱ھ (۳۲-۱۶۳۱ء) نکلتا ہے، نیز اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس سال تک بقید حیات تھے۔

---

[1] نمبر ۳۴،

شمائل النبیؐ

(عبد المجید تزینؔ)

از سیدہ عزت النساء ایم اے، ریسرچ اسکالر (عثمانیہ یونیورسٹی)

عبد المجید نام، تزینؔ تخلص، عہد مغلیہ کا ایک افغانی الاصل دکنی شاعر ہے، لیکن شاعر کے تعلق سے تفصیلی معلومات بہم دست نہ ہو سکے، "شمائل النبیؐ" کے علاوہ اس کی ایک اور مثنوی "نور نامہ" کا پتہ چلتا ہے، جو کتب خانہ سالار جنگ بہادر میں محفوظ ہے، جس میں تزینؔ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپاے مبارک اور اخلاق و عادات کا تذکرہ خوبی سے کیا ہے، لیکن نقل روایات میں تحقیق و تنقیح سے کام نہیں لیا، بلکہ رطب و یابس سبھی جمع کر دیا ہے، زیر بحث مثنوی شمائل النبی اوائل ۱۱۱۱ھ میں ضبط تحریر میں لائی گئی، اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تزینؔ نے اسے پشتو زبان سے دکنی میں ترجمہ کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پشتو زبان سے بھی واقف تھا، اس مختصر سی مثنوی میں بھی تزینؔ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیۂ مبارک اور اخلاق و عادات کو پیش کیا ہے، لیکن صحیح اور غیر صحیح روایات میں امتیاز نہیں کیا ہے، نصیر الدین ہاشمی رقمطراز ہیں:

"عبد المجید تزینؔ نے گیارہویں صدی کے اوائل میں ایک مثنوی "شمائل النبی" کے عنوان سے لکھی ہے ..... اس مثنوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا اور اخلاق و عادات کو نہایت خوبی سے قلم بند کیا ہے"[1]

اس مثنوی کے نسخے کتب خانۂ آصفیہ، کتب خانۂ سالار جنگ اور کتب خانۂ ادارۂ ادبیات اردو میں

محفوظ ہیں، شاعر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے مثنوی کی ابتدا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے خدا! تو سچا ہے، نیک ہے، رحیم ہے، تو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم کردی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ سے میرا دل شاد کردے، پھر شاعر اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ اے خدا! تو میری زبان کھول تاکہ میں نبیؐ کے شمائل بیان کرسکوں، اس کے بعد شاعر زیر نظر مثنوی کے ماخذ کے بارے میں کہتا ہے کہ میں نے اس کو پشتو سے دکنی زبان میں منتقل کیا ہے۔

اس کے بعد شاعر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپائے مبارک کا بیان اس طرح شروع کرتا ہے کہ میں نبیؐ کے شمائل بیان کرتا ہوں، اس کو کان جس قدر سن سکے سنے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر بارہ لاکھ تیرہ ہزار تین سو بال تھے اور ریش مبارک میں چھ لاکھ بیس ہزار دو سو بال تھے، جن کی خوشبو مشک وسنبل سے بڑھ کر تھی، مگر ان میں سترہ سو بال سفید ہوگئے تھے، جو موتی کے مانند چمکتے تھے، مگر موئے مبارک کی تعداد کی تصریح کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں، اور سفید بالوں کی تعداد تو صریحاً غلط ہے، روایات صحیحہ میں بہت کم تعداد بیان کی گئی ہے۔

بعد ازاں شاعر معراج کا واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ترسٹھ (۶۳) برس کو پہونچے تو خدا نے حضورؐ کو ملاقات کا شرف بخشا، یہ بیان بھی صریح غلط ہے، کیونکہ ترسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں حضورؐ کی وفات ہوگئی تھی، ترین کہتا ہے کہ اس رات حضورؐ کا دل سوز عشق سے لبریز اور خدا کی محبت سے آپکا چہرہ زرد تھا، اور حضورؐ نے ایک من دو سیر خوراک تناول فرمائی تھی (یہ روایت بھی بالکل غلط ہے، نہ یہ عقلاً درست ہے اور نہ عادۃً) یہاں شاعر معراج کے واقعہ کو مکمل کرنے کے بجائے پھر سراپائے مبارک کی طرف رجوع ہوجاتا ہے، اور کہتا ہے کہ حضورؐ کے ابرو میں دو ہزار بال تھے، جو بہت چمکتے تھے، پلکوں میں دو سو چار بال تھے جو چاند کے مانند چمکتے تھے، مونچھوں میں دو ہزار بال تھے، بالوں کی یہ تعداد بھی صحیح نہیں ہے، اس کے بعد شاعر جبریل علیہ السلام کے

بارہ میں کہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم لاتے ہیں، حکم خداوندی کے مطابق جبریل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس وقت جب کہ نہ دنیا وجود میں آئی تھی اور نہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا جمال عطا کیا جس کا ثانی کوئی نہیں، حضورؐ کا بدن مبارک سفیدی مائل گندمی تھا اور کشادہ پیشانی کی تابناکی چاند اور سورج کی روشنی سے بڑھ کر تھی، حضورؐ کی بھنویں بڑی باریک اور خوبصورت تھیں، بڑی بڑی آنکھوں میں سیاہ پتلیاں عجب سماں پیش کرتی تھیں، ناک بلند تھی، چاند سے رخساروں پر جنت کے موتیوں کی لالی تھی اور ان رخساروں کے گرد موتیوں سے زیادہ چمکتی ہوئی داڑھی بڑی بھلی معلوم ہوتی تھی حضورؐ کے ہاتھ دراز تھے، آپ جہاں بھی تشریف لیجاتے ابر چھتری کے مانند سایہ فگن رہتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قد نہ تو دراز تھا اور نہ پست، بلکہ حضورؐ میانہ قد تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت یوسف علیہ السلام سے زیادہ خوبصورت تھی، جس کے آگے چاند کی روشنی بھی شرمندہ تھی، کمر پتلی اور نہایت خوبصورت تھی، کشادہ سینہ پر بالوں کی لکیر تھی۔

حدیث کے حوالہ سے شاعر کہتا ہے کہ سرور انبیاؑ فرماتے ہیں کہ جو کوئی میرے شمائل پڑھے یا سنے، اس کو اللہ تعالیٰ کونین میں بے فکر رکھے گا، اس کو عذاب سے نجات مل جائے گی، اور اللہ تعالیٰ اس کو چاروں کتابوں (زبور، توریت، انجیل، قرآن) کا ثواب عطا فرمائے گا، اس کے علاوہ اسے حج اکبر کے ثواب سے بھی سرفراز کرے گا، جنت میں مقام دے گا اور جنگ احد کے شہیدوں کا درجہ ملے گا۔ مگر یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔

شاعر اس کے بعد ایک غیر معتبر حکایت بیان کرتا ہے، کہتا ہے کہ بادشاہ محمود غزنوی نے جب شمائل النبیؐ کے فضائل اور برکتیں سنیں تو اسی وقت اس سے مسرور ہو کر اپنا خزانہ لٹا دیا، اس کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ اسی رات وہ خواب میں محبوبِ خدا کے دیدار اور ہم کلامی سے

مشرف ہوا، حبیبِ خدا نے اسے جنت کا مژدہ سنایا، محمود غزنوی خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو سراپائے مبارک دیکھتا ہے اس کی تعریف شاعر نے اس طرح کی ہے کہ حضورؐ کے چہرۂ مبارک پر اللہ کا نور تھا، حضورؐ کی کشادہ پیشانی پر ایسا نور تھا جیسے سورج طلوع ہوا ہو۔ ناک چمپا کی کلی کے مانند بلند اور سیدھی تھی، دندان مبارک جنت کے موتیوں کے مانند روشن اور چمکیلے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کا دل خاص طور پر اخلاص سے بنایا تھا، حضورؐ کی آنکھیں شرم و حیا سے لبریز تھیں، دونوں ہاتھوں میں سخاوت کی بڑی قوت تھی، حضورؐ کا دونوں جہان کو روشنی دینے والا سینہ جنت کے لعل و گہر سے بنایا گیا تھا، آنحضرتؐ کو خدا نے خیر البشر کا درجہ عطا کیا، ان کے ہونٹ امرت کے چشمے کے مانند تھے اور دانتوں میں ہیروں جیسی چمک دمک تھی اور آواز ایسی تھی جس کو سن کر ساری دنیا مست ہو جاتی تھی، ابرو کمان دار اور پلکیں پر نور تھیں، خوبصورت اور منور گردن خدا کی عبادت میں جھکی رہتی تھی، دونوں ہاتھ سخاوت اور شجاعت میں یکتا تھے، آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ نے صبر و شکر سے شکم سیر رکھا تھا، وہ ہر وقت حق تعالیٰ کی عبادت میں کمربستہ رہتے تھے اور حضورؐ کے قدم مبارک ہمیشہ خدا کی عبادت میں لگے رہنے سے اعلیٰ مقام حاصل کر چکے تھے۔

آخر میں شاعر کہتا ہے کہ ان شمائل کو اچھی طرح سمجھ لو، جس کو شاعر نے دکنی میں نظم کیا ہے، آگے لکھتا ہے کہ اگر ان شمائل کو کوئی پڑھے یا سنے یا دیکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دیگا، شاعر اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتا ہے کہ اے خدا تو میرے گناہوں کو بخش دے، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک تیرے رسول ہیں، مجھ بندے کی مناجات کو تو قبول فرما، آخر میں شاعر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزاروں درود اور سلام بھیج کر مثنوی کو ختم کرتا ہے۔

دکنی شعراء اور علماء نے جو تصوف پر کتابیں لکھی ہیں، ان میں وہ نہ روایت کی صحت کو دیکھتے ہیں اور نہ درایت سے کام لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اکثر قدیم نظم و نثر میں ضعیف اور غیر صحیح

روایات نظم ہو گئی ہیں، اس مثنوی میں بھی ترین نے ضعیف روایتوں کا سہارا لیا ہے۔

زبان اور اسلوب بیان

عہد مغلیہ تک دکنی زبان ترقی کے کافی مدارج طے کر چکی تھی، چنانچہ دور ماسبق کی بہ نسبت اس عہد میں کلام صاف اور نکھرا ستھرا ہو گیا تھا جس کا اندازہ عشرتیؔ، ولیؔ ویلوری، بحریؔ، امینؔ، ضعیفیؔ، وجدیؔ اور ولیؔ اورنگ آبادی کے کلام سے لگایا جا سکتا ہے، جس میں ہمیں سلاست، متانت، لطف زبان، سادگی اور صفائی ملتی ہے، لیکن جہاں تک عبد المجید ترین کی زبان اور اسلوب بیان کا تعلق ہے کہا جا سکتا ہے کہ اس کی زبان میں وہ خصوصیات نہیں ہیں، جو اس کے عہد کے نامور شعراء کے یہاں پائی جاتی ہیں، اگرچہ زبان صاف ہے، تشبیہات کا استعمال بھی برمحل ہوا ہے، جذبات عقیدت کی شدت بھی ملتی ہے، لیکن انداز بیان بالکل سپاٹ ہے، ترین بنیادی طور پر مذہبی شاعر ہے اور چونکہ مذہبی شاعر پر تنقید نگار کی گرفت مضبوط نہیں ہوتی اور خود ایسے شاعر بھی فن کے بجائے موضوع کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم ترین کو ادبی تنقید کی کسوٹی پر رکھیں تو بڑے درجہ کا شاعر قرار نہیں دے سکتے۔

تلخیص و تبصرہ

جاپان میں اسلام

از

جناب محمد صدر الحسن صاحب متعلم دار العلوم ندوہ لکھنؤ

(مندرجہ ذیل مضمون مرکز اسلامی (جاپان) کی سالانہ رپورٹ سے ماخوذ ہے)

مرکز اسلامی | تقریباً ڈھائی سال پہلے مرکز اسلامی نے محض اللہ کے بھروسے پر جاپان کے پایۂ تخت ٹوکیو میں ایک مسجد کے قریب ایک چھوٹے سے دفتر سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا، تاکہ جاپانی باشندوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے، اس مقصد کی تکمیل کے لئے وقتاً فوقتاً حالات کے مطابق مختلف طریقۂ کار استعمال کئے جاتے رہے، الحمدللہ آج کام بہت حد تک آگے بڑھ چکا ہے۔

مرکز اسلامی کی مجلس انتظامیہ گیارہ ۱۱ ارکان پر مشتمل ہے۔

مرکز نے ڈیڑھ سال کے لئے دو کمروں پر مشتمل ایک مکان کرایہ پر لیا تھا، لیکن حکومت سعودیہ کویت اور دوسرے ممالک کے اصحاب خیر کی مدد سے پہلے سے زیادہ وسیع مکان مسجد کے قریب ہی خرید لیا، لیکن کام کی رفتار اور عملی سرگرمیوں کی بنا پر اس کے قریب ایک مکان اور کرایہ پر لینا پڑا، لیکن اب یہ مکان بھی ہماری تبلیغی سرگرمیوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کافی نہیں ہے۔

بنیادی مقاصد | مرکز کے پیش نظر دو ۲ بنیادی مقاصد ہیں:

۱. اسلام کی ترویج اور اہم کتابوں کی جاپانی زبان میں اعلیٰ پیمانے پر نشر و اشاعت۔

۲. جاپانی باشندوں کے اندر شخصی اور اجتماعی ملاقاتوں کے ذریعہ اسلام کا تعارف۔

دعوت و تبلیغ | مرکز کی سرگرمیوں کا ایک مقصد جاپانی باشندوں میں اسلام کی نشر و اشاعت اور اسلامی تعلیمات سے انھیں ہم آہنگ بنانا ہے، اس مقصد کے لئے جاپان کے مختلف علاقوں میں تبلیغی دورے ہوتے رہتے ہیں، جن کی مختصر سرگذشت حسب ذیل ہے:

۱. چند ماہ پہلے جزیرہ ہوکیڈو کا ایک سنجیدہ آدمی مرکز میں مجھ سے ملنے آیا (جزیرہ ہوکیڈو جاپان کے چار بڑے جزائر میں سے ایک ہے اور جاپان کے شمالی سمت میں واقع ہے) اور ہماری مطبوعات کی بلامعاوضہ نشر و اشاعت پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا، اس سے تھوڑی دیر گفت گو ہوئی اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہوگیا، اس طرح جاپان کی شمالی سمت اسلامی تنظیم اور اس کی نشر و اشاعت کے لئے ایک ایسی کڑی فراہم ہوگئی جس سے ہم اپنے مستقبل کی دعوتی جد و جہد میں بہت حد تک خودکفیل ہوسکیں گے، ان سے اخوت و ہمدردی کی بنا پر تعلقات بڑھتے رہے، اور آج وہاں ان کی کوششوں سے تیس ۳۰ آدمی دائرۂ اسلام میں داخل ہوچکے ہیں اور "جمعیۃ ہوکایدو الاسلامیۃ" کے نام سے ایک انجمن بھی قائم ہوچکی ہے، ہم لوگ ہر تبلیغی دورے پر وہاں عمائد شہر اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کو جمع کرتے ہیں اور مقالات کا ایک سلسلہ شروع کرتے ہیں اور انھیں اپنی مطبوعات فراہم کرتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ہم لوگوں نے یہ بھی کوشش جاری کر رکھی ہے کہ جاپان کے جنوبی خطے جزیرہ اوکیناوہ تک اسلام کی دعوت پہونچائیں، اس طرح ہم پورے جاپان کو اپنی سرگرمیوں کا میدان بنا سکیں گے۔

۲. عمر ادیشی، جنھوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے اور "جمعیۃ الشباب" کے سکریٹری ہیں اپنی قوم میں اسلام کی دعوت کو عام کرنے میں بہت دلچسپی اور سرگرمی سے کام کر رہے ہیں، یہ

جمیعۃ الشباب" جاپان کے مشہور شہر یا یزو میں ہے، یہ شہر جاپان کے مچھلی کا شکار کرنے والی کشتیوں کا مرکز اور بندرگاہ ہے، یہ ٹوکیو سے جنوب کی جانب دوسو[۲۰۰] کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، انھوں نے دو مرتبہ ہمیں تبلیغی دورہ پر آنے کی دعوت بھی دی اور شہر کے ذمہ دار حضرات، مچھلی کے شکاریوں، جمیعۃ الشباب کے ارکان اور ثانوی مدارس کے اساتذہ سے ہماری ملاقات کرائی، ہم نے اسلامی تعلیمات اور اسلام کے بنیادی اصول سے ان لوگوں کو روشناس کرایا اور اپنی مطبوعات دیں۔

(۳) تبلیغی میدان میں کام کرنے والے حضرات کئی بار ناجویا بھی گئے، یہ شہر ٹوکیو سے جنوب کی جانب تین سو[۳۰۰] کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، اس کا شمار متمدن شہروں میں ہوتا ہے اور اس کی تیسری پوزیشن سمجھی جاتی ہے، وہاں ہم لوگوں نے کالج کے طلبہ اور دوسرے مسلمانوں سے بات چیت کی، عید کی نماز وہیں ادا کی اور اجتماعی شکل میں ان لوگوں سے گفتگو کا موقع ملا۔

(۴) سندای جو تمدنی اور ثقافتی اعتبار سے جاپان کے اہم شہروں میں شمار ہوتا ہے اور ٹوکیو کے شمالی جانب چارسو[۴۰۰] کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، وہاں اور وہاں کے مضافات میں تقریباً پچاس[۵۰] جاپانی مسلمان ہیں، ان میں سب سے زیادہ سرگرم عبدالرحمن ماکابی ہیں جنھوں نے آج سے بیس[۲۰] سال پہلے جاپانی زبان میں پہلی بار نماز سے متعلق ایک مختصر رسالہ مرتب کیا تھا، ان لوگوں نے مصر، بنگلادیش اور پاکستان کے ان مسلم طلبہ سے جو ٹوہاکو یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں، رابطہ قائم کر رکھا ہے (یہ یونیورسٹی جاپان کی پانچ اہم یونیورسٹیوں میں سے ایک ہے) اور انھیں دینی اور تبلیغی میدان میں کام کرنے اور اس راہ میں صلاحیتوں کو صرف کرنے پر آمادہ کر لیا ہے، اور اس کے ساتھ مرکز اسلامی نے سندای کے وسط میں ایک تبلیغی مرکز بھی قائم کر رکھا ہے، اس طرح یہ مرکز اسلامی تعلیمات کو عام کرنے میں بڑا اہم رول ادا کر سکے گا، اسی مرکز میں اس خطہ کے مسلمان نماز ادا کرتے ہیں اور اس طرح ایک اجتماعی فضا ہموار ہو رہی ہے۔

(۵) جاپان میں ٹوکشیما اور نارٹو کو اسلام کی دعوت و تبلیغ میں دوسری بنیادی حیثیت حاصل ہے، مرکز میں کام کرنے والے حضرات نے ان شہروں کا کئی بار دورہ کیا ہے، نیز الحاج یوسف ناکاجیما نے بھی الهيئة التجارية الدولية کی دعوت پر کئی بار جچی دورے کئے ہیں، وہاں حج سے متعلق فلم کی نمائش بھی کی گئی اور کتابیں تقسیم کی گئیں۔

(۶) کیوٹو (جاپان کا قدیم دارالسلطنت) اسلام کے اہم دعوتی مراکز میں شمار ہوتا ہے، اس مرکز کا تعلق جاپان کے جنوبی اور جنوب مغربی حصوں سے ہے، اس کے ذمہ دار الحاج مصطفیٰ کومورا ہیں، جو قرآن کریم کا جاپانی ترجمہ کرنے میں الحاج عمر میتا کے رفیق بھی ہیں۔

(۷) کانازاوہ جاپان کے ثقافتی نشر و اشاعت کے اہم مراکز میں سے ہے، یہ ٹوکیو سے جنوب مغرب کی جانب تقریباً چھ سو[۶۰۰] کیلومیٹر پر چینی بری حصے کے سامنے ساحل سمندر پر واقع ہے، وہاں جاپانی مسلم نوجوانوں کی ایک تنظیم ہے، ہم نے ان سے ملاقاتیں بھی کی ہیں اور مستقبل میں ان سے ہماری بہت کچھ امیدیں وابستہ ہیں۔

(۸) مسلم نوجوانوں کی انجمن کی دعوت پر ہم لوگوں کا ٹوٹوری بھی جانا ہوا، یہ شہر ٹوکیو کے جنوب مغرب میں آٹھ سو[۸۰۰] کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں اسلامی دعوت و تبلیغ کے متعلق مختلف موضوعات پر بات چیت ہوئی۔

(۹) مرکز نے "اد فونا" میں جو ٹوکیو سے متصل ایک شہر ہے، دو روزہ اجتماع کا انتظام کیا تھا جس میں قرآن و حدیث کی دینی حیثیت اور اسلام کی حقانیت پر متعدد مقالے پڑھے گئے۔

(۱۰) مرکز نے مجوزہ پروگرام کے تحت پچاس بدھ راہبوں کو ٹوکیو کی مسجد میں آنے کی دعوت دی اور ان کے سامنے اسلامی عقائد اور اس کی لازوال تعلیمات کا ایک واضح تصور پیش کیا، اس موقع پر جاپان کی بعض اہم شخصیتوں کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی، جن میں الحاج عمر میتا،

ابو بکر موریموتو اور محمد ساوادا خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(۱۱) مرکز نے جاپان کے ثانوی مدارس کے اساتذہ کو بھی ٹوکیو کی مسجد میں آنے کی دعوت دی اور انھیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا۔

(۱۲) مرکز اسلامی جاپان میں موجود چودہ[۱۴] انجمنوں کے ساتھ مختلف میدانوں میں سرگرم تعاون کرتا ہے، جس کا مختصر خاکہ حسب ذیل ہے:

(الف) تمام انجمنوں میں باہمی ربط و تعلق اور خوش گواری کی فضا قائم رکھنا۔

(ب) انجمنوں کو مرکز کی اسلامی مطبوعات فراہم کرنا۔

(ج) اسلامی تعلیمات پر لکچر دینے کے لئے اساتذہ کی فراہمی۔

(د) ایک مشترک دعوتی و تبلیغی چارٹ کا انتظام۔

(ھ) مرکز آنے والے حضرات کے لئے تمام انجمنوں سے تعارف کا موقع فراہم کرنا

(و) حلقہ بگوش اسلام ہونے والے لوگوں کو ان کے قریب کی کسی انجمن کا پتہ دینا اور اس سے ان کا تعلق قائم کرانا۔

(ی) طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں بعض انجمنوں کی مالی امداد۔

(۱۳) ۱۳۹۶ھ میں جاپان کے چوبیس[۲۴] اشخاص نے حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، جس میں ایک جاپانی مسلمان اور باقی وہ چینی، ترکی اور عرب مسلمان تھے، جنھوں نے جاپان میں مستقل سکونت اختیار کرلی ہے، مرکز اسلامی مزید مسلمانوں کو حج کے مواقع فراہم کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

مطبوعات | ترجمہ کی صعوبتوں کے باوجود اللہ کے فضل سے بہت سی مفید مذہبی کتابیں شائع ہوئی ہیں اور اسلام نام کا ایک چہار ماہی رسالہ بھی نکلتا ہے۔

آئندہ تعلیم گاہوں اور نشر و اشاعت کے عمدہ مرکزوں کے قیام کا ارادہ ہے تاکہ کام زیادہ بہتر ہو سکے

ادبیات

غزل

از جناب مصطفٰے علی اثیر خلف منشی ممتاز علی صاحب آہ مرحوم تلمیذ رشید امیر مینائی

غم آگیں ترانے کو جی چاہتا ہے — یہ دل، دل بنانے کو جی چاہتا ہے

جنوں ہے کہ یہ جستجوئے سکوں ہے — نشیمن جلانے کو جی چاہتا ہے

ہے دنیا گرفتار قید تعین — کہیں اور جانے کو جی چاہتا ہے

بہار و خزاں سب فریب نظر ہیں — یہ پردہ ہٹانے کو جی چاہتا ہے

نہ ساحل کی حسرت نہ کچھ خوف طوفاں — بس اب ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے

اجل یوں ہی کہہ دے کہ وہ آرہے ہیں — ذرا مسکرانے کو جی چاہتا ہے

محبت کا آغاز تھا کس مزے کا — وہیں لوٹ جانے کو جی چاہتا ہے

ڈراتی ہے بجلی چمک کر جہاں سے — وہیں آشیانے کو جی چاہتا ہے

غم عشق کی انتہا حد کو پہونچی — قفس خود بنانے کو جی چاہتا ہے

اثیر آپ چپ چپ جو رہتے ہیں شاید — فسانہ بنانے کو جی چاہتا ہے

غزل

از جناب چندر پرکاش جوہر بجنوری

جواں رکھیں جو ہم راہ طلب میں حوصلے دل کے — تو اک اک گام پر کھلنے لگیں اسرار منزل کے

نہ ہو مایوس اے امواج غم میں ڈوبنے والے
کبھی طوفاں میں بھی آثار مل جاتے ہیں ساحل کے

نہ کر ترک محبت پر مجھے مجبور اے ناصح!
بہت محکم ہوا کرتے ہیں ناداں فیصلے دل کے

نگاہِ امتیازِ جلوہ و پردہ کریں پیدا
گماں محمل نشیں کا ہے جنھیں پردوں پہ محمل کے

جنھیں دنیا مہ و انجم گل و لالہ سمجھتی ہے
یہ بکھرے ہوئے ذرے مری خاکستر دل کے

سمجھتی ہے نظر ان کی بہت شایانِ غم جوہر
سکھا دیتی ہے سب آداب اس کو عشقِ کامل کے

افکار اقبال

مترجمہ صالحہ عرشی

(ترجمہ از پیام مشرق)

مرا دل بیقرار آرزو ہے
مرے سینے میں شور ہاؤ ہو ہے
میں کیا بولوں کہ روز و شب مجھ تو
خود اپنے آپ ہی سے گفتگو ہے

پریشاں گلستاں میں مثل بو ہوں
نہ جانے کیوں میں محوِ جستجو ہوں
برآئے آرزو یا بر نہ آئے
شہید سوز و سازِ آرزو ہوں

زمیں کو راز دار آسماں کر
مکاں کو شرحِ رمزِ لامکاں کر
ہر اک ذرہ سوئے منزل رواں ہے
تو ریگ راہ کو اپنا نشاں کر

خضر سے ایک دن بولا سکندر
شریکِ سوز و سازِ آرزو ہو
بس اب تو چھوڑ دے صحرا نشینی
ذرا طوفاں میں چل اور زندہ تر ہو

ضمیرِ کن فکاں تیرے سوا کیا
نشان بے نشاں تیرے سوا کیا
ذرا بیباک تر ہو زندگی میں
یہ دنیا ہے یہاں تیرے سوا کیا

باب التقریظ والانتقاد

رسالوں کے خاص نمبر

نیا دور کا مسعود حسن رضوی نمبر | مرتبہ جناب خورشید احمد صاحب، تقطیع کاغذ کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۱۰۲، قیمت ایک روپیہ، پتہ: ایڈیٹر نیا دور، پوسٹ بکس ۱۴۶، لکھنؤ۔

مسعود حسن رضوی ادیب اردو کے ممتاز ادیب، محقق اور مصنف تھے، وہ اپنے متنوع اور گوناگوں علمی، تحقیقی اور ادبی کارناموں کی وجہ سے اس کے مستحق تھے کہ ان کے شایان شان ایک یادگار نمبر شائع کیا جائے، نیا دور لکھنؤ نے اسی حیثیت سے یہ خاص نمبر نکالا ہے، اس میں ان کی زندگی اور خدمات کے مختلف پہلو واضح کئے گئے ہیں، اس نمبر میں مختلف اہل علم و قلم نے حصہ لیا ہے، علی جواد زیدی، ڈاکٹر سلام سندیلوی، ڈاکٹر جین، امیر حسن نورانی نے ان کے خاندانی حالات، تعلیم و تربیت، علمی کمالات، ادبی و تحقیقی خدمات، ملازمت، طرز تحریر، اخلاق و عادات اور انسان دوستی کا بڑا اچھا خاکہ ان کی اور دوسرے ارباب قلم کی تحریروں کی مدد سے پیش کیا ہے، مفتی رضا انصاری نے چند یادیں دلچسپ انداز میں لکھا ہے، شمس تبریز خاں نے ان کے ادبی ذوق اور ادبی خدمات اور اسلوب نگارش پر روشنی ڈالی ہے، دوسرے مضامین میں بھی ان کی زندگی کے خط و خال کی اچھی مصوری کی گئی ہے، آخر میں مسعود صاحب کی چند نادر تحریریں اور خطوط بھی درج ہیں، مشاہیر کے خطوط بنام مسعود حسن کے تحت آرزو لکھنوی، اصغر لکھنوی، عبد الماجد دریابادی، رشید احمد صدیقی، اثر لکھنوی، ڈاکٹر ذاکر حسین،

خواجہ غلام السیدین، جوش ملیح آبادی، امتیاز علی عرشی، قاضی عبدالودود اور آل احمد سرور کے
خطوط شائع کئے گئے ہیں، جو مفید معلومات پر مشتمل ہیں۔ مشہور شاعر عمر انصاری کے علاوہ
بعض دوسرے شعراء نے بھی منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے، چند نایاب اور نادر تصویروں سے
بھی یہ نمبر مزین ہے، یہ نمبر ارباب ذوق کی قدردانی کے لائق ہے۔

جامعہ کا اقبال نمبر | مرتبہ عبداللطیف اعظمی، تقطیع کلاں، کاغذ کتابت وطباعت اعلیٰ، صفحات
۱۶۰، قیمت دو روپئے، ملنے کا پتہ: ماہنامہ جامعہ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

گذشتہ سال اقبال صدی تقریبات کے سلسلہ میں علامہ اقبال کے شاعرانہ کمالات، افکار
وتصورات اور احوال وسوانح پر سیکڑوں مضامین لکھے گئے، بہت سی کتابیں شائع ہوئیں، بین الاقوامی
سمینار ہوئے اور رسائل نے ضخیم نمبر نکالے، اس سلسلہ میں رسالہ جامعہ نے بھی ایک خاص نمبر
نکالا ہے، علامہ اقبال کا جامعہ سے گہرا تعلق تھا، وہ کئی بار وہاں گئے، بعض جلسوں کی صدارت
بھی کی جن میں وہ جلسے خاص طور سے قابل ذکر ہیں، جن میں ترکی کے سابق امیر البحر حسین رؤف بے
اور خالدہ ادیب خانم نے ترکی پر اہم خطبے دئے تھے، اس نمبر میں رسالہ کے مرتب عبداللطیف صاحب نے
ایک مفصل مضمون لکھ کر اقبال اور جامعہ کے روابط کو واضح کیا ہے، اقبال اور اساتذۂ جامعہ کے
سلسلہ میں سید نذیر نیازی کا بار بار ذکر آیا ہے، لیکن تعجب ہے کہ جامعہ کے ایک اور استاذ وقار عظیم کو
نظر انداز کر دیا گیا ہے، حالانکہ عرصہ ہوا "اقبال شاعر اور فلسفی" کے نام سے ان کی ایک کتاب
شائع ہو چکی ہے، اسی طرح "طلبۂ قدیم اور اقبال" کے ذیل میں رئیس احمد جعفری کا ذکر بھی نہیں
کیا گیا ہے، جب کہ انھوں نے اقبال کے متعلق مقالات کے علاوہ "اقبال امام ادب" "اقبال
اور عشق رسول"، "اقبال اپنے آئینہ میں" کے نام سے تین کتابیں بھی یادگار چھوڑی ہیں، شاید
اس کا سبب یہ ہو کہ وہ جامعہ کے گریجویٹ نہ تھے، مگر ان کا تعلق جامعہ سے امٹ ہے، انھوں نے

نہ صرف یہاں کئی سال تعلیم حاصل کی، بلکہ زندگی بھر جامعہ کی محبت میں سرشار رہے۔
اس مضمون میں بعض باتیں بے محل اور بعض مضامین میں غیر ضروری طوالت محسوس ہوئی، مثلاً
شیوخ، اساتذہ اور طلبۂ جامعہ کے طویل اقتباسات۔ صفحہ ۷۵ پر ڈاکٹر ظہیر الدین احمد جامعی
کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ "کوشش کے باوجود معلوم نہ ہو سکا یہ کون صاحب ہیں"، یہ ایم، اے،
ٹی، ڈی لٹ (قاہرہ) اور جامعہ عثمانیہ میں صدر شعبۂ مذہب وثقافت تھے، فروری اور
اپریل ۵۳ء کے برہان میں ان کے حالات شائع ہوئے ہیں۔

ضیاء الحسن فاروقی کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ "حافظ اور اقبال" پر انھوں نے ایک طویل
مضمون لکھا جو جامعہ نومبر و دسمبر ۷۶ء کے شماروں میں شائع ہوا، مگر ص ۸۸ پر جو فہرست مضامین
درج ہے اس میں ۷۶ء کے بجائے غلطی سے ۷۱ء درج ہو گیا ہے۔ ص ۱۳۲ پر فٹ نوٹ
میں اقبال کی تاریخ پیدائش کے سلسلہ میں نذیر صوفی کی دستاویز کا ذکر ہے جس سے تاریخ ولادت
۱۸۷۷ء ثابت ہوئی، مگر دستاویزی ثبوت درج نہیں کیا گیا ہے۔ جگن ناتھ آزاد کا مضمون
جو زیر تصنیف کتاب کا ایک حصہ ہے بہت دلچسپ ہے، اس سے عطیہ اور اقبال کے
تعلقات پر خاصی روشنی پڑتی ہے، مگر اندیشہ ہے کہ کہیں یار لوگ شبلی کی طرح اقبال کی داستان
نہ شروع کر دیں، عتیق صدیقی کا مضمون "اقبال ناشناسی" فکر انگیز ہے، لیکن بہت اختصار سے
کام لیا گیا ہے، اس میں ایک جگہ ہے "پاکستان میں اقبال کے ساتھ سب سے بڑا ظلم یہ کیا گیا کہ علامہ
کی مسند سے انھیں حکیم الامت ہی نہیں، بلکہ علیہ رحمۃ بنا کر بزرگان دین کی صف میں لا کھڑا کیا"۔
ص ۱۳۴ علیہ رحمۃ کے بجائے علیہ الرحمۃ یا رحمۃ اللہ علیہ لکھنا چاہئے تھا، یہ ظلم کی قسم ہماری
سمجھ میں نہیں آئی، کون نہیں جانتا کہ مرنے والے کے نام کے آگے "رح" لکھا جاتا ہے، اور یہ صرف
بزرگانِ دین ہی کے لئے مخصوص نہیں، اقبال حکیم الامت بھی تھے، اور اسلام کے حدی خوان بھی

ان میں بڑی حمیت اور ایمانی غیرت تھی، وہ امت مسلمہ کو نیا ولولہ، پیام دیتے رہے، ان کے حکیمانہ پیام اور تعلیم سے انکار خود اقبال ناشناسی ہے، پروفیسر رفیعہ سلطانہ اور ڈاکٹر وزیر آغا کے مضامین بھی پڑھنے کے لائق ہیں، ان معمولی فروگذاشتوں کے باوجود یہ نمبر اقبالیات کے ذخیرہ میں اچھا اضافہ ہے۔

منادی کا خواجہ حسن نظامی نمبر | مرتبہ خواجہ حسن ثانی نظامی، تقطیع کلاں، کاغذ کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۹۶، قیمت تین روپیے، ملنے کا پتہ: درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، نئی دہلی۔

خواجہ حسن نظامی سوسائٹی کے تحت دسمبر ۱۹۷۵ء میں ایک سیمینار منعقد کیا گیا تھا جس میں خواجہ صاحب کے بارہ میں مختلف اہل علم نے مضامین پڑھے تھے، رسالہ منادی نے ان مضامین کو سلیقہ کے ساتھ مرتب کر کے ایک نمبر شائع کر دیا ہے، اس میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ڈاکٹر عنوان چشتی، ڈاکٹر منیر الحق، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر رفیعہ سلطان، اور مفتی شوکت نہمی نے خواجہ صاحب کی دلآویز شخصیت اور ان کی خدمات پر دلچسپ اور پُر از معلومات مضامین لکھے ہیں، ان کے ساتھ شعراء کا نذرانۂ عقیدت بھی شامل ہے، خواجہ صاحب ایک صاحب اسلوب ادیب تھے، ان کی تحریر میں عجیب بے ساختگی اور البیلا پن پایا جاتا ہے، وہ صف اول کے ادیبوں میں شمار ہونے کے لائق تھے، لیکن افسوس ہے کہ ادب اردو کی تاریخوں میں انھیں نظر انداز کر دیا گیا ہے، امید ہے کہ اردو ادب کے قدر شناس اس نمبر کی قدر کریں گے۔

غالب نامہ سہ ماہی | مدیر جناب نثار احمد فاروقی، تقطیع کلاں، کاغذ کتابت و طباعت اعلیٰ، صفحات حصہ اردو ۲۰۰، قیمت دس روپے، ملنے کا پتہ: غالب انسٹی ٹیوٹ ایوان غالب مارگ، نئی دہلی ۲ ... ۱۱۔

غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام غالب صدی کی شاندار تقریبات عرصہ تک یاد رہیں گی، اس موقع پر بین الاقوامی سیمینار کے ساتھ ساتھ کتابوں کے صدی ایڈیشن بھی شائع ہوئے تھے، اس ادارہ نے "غالب نامہ" کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ بھی جاری کیا ہے، جس کا پہلا شمارہ ہمارے پیش نظر ہے جو جنوری ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا تھا۔

اس رسالہ کے نام سے خیال ہوتا ہے کہ اس میں غالب کے بارہ میں مضامین ہوں گے، لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ غالب پر تحقیقی و تنقیدی مضامین کے جلو میں اقبال اور میر انیس پر بھی قیمتی مضامین شامل ہیں، آخر میں غالب سے متعلق کتابوں پر مفصل تبصرہ ہے۔

غالب سے متعلق مضامین میں ڈاکٹر سید معین الرحمن کا مضمون "گل رعنا، لاہور" قابل ذکر ہے، اس میں انھوں نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ اسے اصل نسخۂ غالب ثابت کرنا سید وزیر الحسن عابدی کی زیادتی ہے، اسی طرح مطالعۂ غالب کے نئے امکانات پر نثار احمد فاروقی نے اچھی بحث کی ہے، استعارہ پر عبد القوی دسنوی کا مضمون مختصر اور تشنہ معلوم ہوا، ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے حافظ اور اقبال پر داد تحقیق دی ہے، نائب حسین نقوی نے میر انیس کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ پیش کیا ہے، اس کے شروع میں انھوں نے اس کے غیر مطبوعہ ہونے پر قوی دلائل پیش کئے ہیں، آخر میں غالب صدی تقریبات کی مکمل روئداد بھی شامل کر دی گئی ہے، جس میں سابق صدر جمہوریہ ہند فخر الدین علی احمد کا خطبۂ استقبالیہ مسز اندرا گاندھی کی تقریر، ڈاکٹر ذاکر حسین کا خطبۂ افتتاحیہ اور فخر الدین علی احمد کی مفصل رپورٹ درج ہے، بین الاقوامی سیمینار کے ملکی و غیر ملکی مندوبین کی فہرست بھی دی گئی ہے۔

غالب اور علم و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ ایک اچھا تحفہ ہے۔

الفرقان کا تیسرا انتخاب نمبر | ایڈیٹر مولانا محمد منظور نعمانی، تقطیع متوسط، کتابت طباعت اور کاغذ بہتر، صفحات ۲۰۰، قیمت ۵ روپے، ملنے کا پتہ: دفتر الفرقان، ۳۱ نیا گاؤں مغربی

(نظیر آباد) لکھنؤ۔

الفرقان مولانا نعمانی کی ادارت میں چھیالیس (۴۶) سال سے دینی، اصلاحی اور علمی خدمات انجام دے رہا ہے، اس طویل عرصہ میں سیکڑوں مفید مضامین شائع ہوئے، لیکن ۴۶ ضخیم جلدوں کا پڑھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، اس لئے مولانا نے مناسب سمجھا کہ ان کا انتخاب شائع کیا جائے، زیر نظر شمارہ تیسرا انتخاب نمبر ہے جس میں ۱۹۶۰ء تک کے مضامین کا ایک خوشنما گلدستہ پیش کیا گیا ہے، امید ہے کہ اسے دینی اور اصلاحی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا اور شوق کے ہاتھوں لیا جائے گا۔

نشان منزل بھوپال کا خاص نمبر | مرتب حافظ محمد رضوان خان، کاغذ بہتر، کتابت و طباعت معمولی، ضخامت ۱۵۲، تقطیع متوسط، قیمت ۴ روپے، پتہ: دار العلوم، تاج المساجد، بھوپال (ایم، پی)

نشان منزل دار العلوم تاج المساجد بھوپال کا پندرہ روزہ ترجمان ہے، ہر سال اس کا ایک خاص نمبر نکلتا ہے، اس وقت ۱۹۷۶ء کا ضخیم نمبر ہمارے پیش نظر ہے، اس میں زیادہ تر دینی اور اصلاحی مضامین ہیں، بہت سے مضامین پرانے ہیں جو اپنے افادہ اور تاثیر کی بنا پر درج کئے گئے ہیں، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، مولانا عبد السلام قدوائی ندوی، حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی، ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر مسعود عرفان ندوی کے مضامین خاص طور سے پڑھنے کے لائق ہیں۔

انتقال اعضاء پر عرب کے ایک عالم کے مضمون کا ترجمہ اس میں شامل ہے، جس میں جسم انسانی میں اعضاء کی تبدیلی کا جواز ثابت کیا گیا، لیکن دلائل بہت ہلکے دئے ہیں، لطف یہ کہ بحث کے دوران عدم جواز کے دلائل اس سے زیادہ قوی نقل کر دئے ہیں۔

افسوس ہے کہ طباعت خراب اور کتابت کی غلطیاں بہت ہیں۔　　"م، ان"　　(باقی)

مطبوعات جدیدہ

حرکۃ الانطلاق الفکری وجھود الشاہ ولی اللہ فی التجدید | مترجمہ مولانا مقتدیٰ حسن ازہری، متوسط تقطیع، کاغذ اچھا خوشنما ٹائپ، صفحات ۳۰۴، پتے: مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، وارانسی (۲) ابنا ر الجامعۃ السلفیہ ص ب ۲۸۹، المدینۃ المنورۃ المملکۃ العربیۃ السعودیۃ۔

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی گجرانوالوی مرحوم جمعیۃ اہل حدیث کے ممتاز عالم تھے، تقسیم کے بعد وہ پاکستانی جماعت کے امیر بھی رہے، اس کتاب میں انھوں نے تحریک اہل حدیث کے بارہ میں شکوک و اعتراضات کا جواب دیا ہے، اس سلسلہ میں اہل حدیث کی گذشتہ تاریخ، فکری علمی و دینی خدمات، ان کی کتاب و سنت سے وابستگی کی دعوت، رد بدعات اور جمود و تقلید کے خلاف جدوجہد کی تفصیل پیش کی ہے اور اس کے بارہ میں دوسرے مذاہب اور جماعتوں کے رد عمل کا ذکر کیا ہے، مولانا نے اہل حدیث کے معترضین کے جواب میں ان جزئی مسائل اور فقہی احکام پر بھی گفتگو کی ہے جو احناف و اہل حدیث کے درمیان مابہ النزاع ہیں اور جن کے بارہ میں ہر ایک کو اپنے موقف کی صحت پر اصرار ہے، مولانا نے اہل حدیث و احناف کے علاوہ دوسرے ائمہ فقہ و حدیث کے نقطۂ نظر کی وضاحت بھی کی ہے اور اپنے مسلک کی ترجیح و تصویب دلائل سے ثابت کی ہے اور بڑی حد تک مناظرانہ انداز اور طعن و تشنیع سے پرہیز کیا ہے، اسی سلسلہ میں تقلید کے مسئلہ پر بہت مبسوط بحث کی گئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ اس کی اشاعت اور اس میں شدت کب پیدا ہوئی، پھر جن لوگوں نے

اس کے خلاف آواز بلند کی، ان کی جد وجہد کا تذکرہ اور شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادہ کے دوسرے بزرگوں کے کارناموں کا ذکر ہے، نیز تقلید کے متعلق دیوبندی اور بریلوی مکاتب فکر پر تنقید بھی ہے، مصنف نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اہل حدیث کی تحریک نئی نہیں ہے، بلکہ اس کا سلسلہ ان محدثین سے جڑا ہوا ہے جن کا متقدمین اور متوسطین ہر دور کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، یہ محض حفاظ حدیث نہیں تھے، بلکہ ایک مستقل مدرسۂ فکر کے ترجمان تھے، کتاب پُر از معلومات ہے، مگر ظاہر ہے کہ دوسرے طبقہ و مسالک کے لوگوں کو اس سے اتفاق نہیں ہو سکتا، ہر ایک اپنے ہی مسلک کو قوی سمجھتا ہے، البتہ تقلید کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اصولی حیثیت سے راقم کو اس سے اتفاق ہے، مگر اس کی تائید و تردید میں جو کچھ کہا جاتا ہے، اس میں حق و باطل کو گڈمڈ کر دیا جاتا ہے، یہ کتاب پہلے اردو میں شائع ہوئی تھی، پھر جامعہ سلفیہ بنارس کے لائق استاذ اور صوت الجماعۃ کے مدیر مولانا مقتدی حسن ازہری نے اسے عربی میں منتقل کیا، ترجمہ اچھا ہے۔

محاسن الشعر — الجزء الاول | مرتبہ مولوی محمد اجمل ایوب اصلاحی ندوی تقطیع متوسط، کاغذ عمدہ چھاپ، صفحات ۵۲، قیمت للعہ، پتہ: مکتبۂ اصلاح سرائے میر، اعظم گڈھ

عربی اشعار کا یہ منتخب مجموعہ عربی کے دوسرے درجہ کے طلبہ کے لئے شائع کیا گیا ہے، اس میں دور رسالت سے اب تک کے مختلف شعراء کا کلام درج ہے، یہ اشعار توحید و معاد، زہد و اتقاء، بے ثباتی عالم اور مکارم اخلاق پر مشتمل ہیں، حواشی میں ہر شاعر کا مختصر تعارف بھی ہے، اس کی ترتیب میں زبان و بیان کی سلاست، روانی کا بھی خیال رکھا گیا ہے تاکہ طلبہ کی ذہنی و فکری اصلاح بھی ہو اور ادبی تربیت بھی، یہ انتخاب عربی مدارس کے نصاب میں شامل کئے جانے کے لائق ہے۔ "ض"

جلد ۱۲۳ ماہ ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۷۸ء عدد ۴

مضامین